آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اوّل — جون سنہ ۱۹۰۲ء — نمبر (۶)

مضامین فہرست

اسلام
اخلاقی حالتیں
ہستی باری تعالیٰ ۲۲۳
صفات باری تعالیٰ ۲۲۹
روحانی حالتیں ۲۳۳
دافع البلاء

دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء
تمہید ۲۴۶
طاعون ۲۴۸
ایضاً ″
ایضاً ″
ایضاً ″
ایضاً ″

انجمن اشاعت الاسلام قادیان
نے
انوار احمدیہ پریس قادیان دار الامان میں چھپوا کر
۳۰- اگست سنہ ۱۹۰۲ء کو شائع کیا

چندہ سالانہ معہ محصولڈاک:- معمولی کاغذ پر (عہ) ولائتی کاغذ پر (للعہ)

www.aaiil.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اسلام

اخلاقی حالتیں

ہستی باری تعالیٰ

(رسالہ نمبر ۴ سے آگے)

منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک برتر ہستی کی تلاش ہے جس کے لئے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے اور اس تلاش کا اثر اسی وقت سے ہونے لگتا ہے جبکہ بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے روحانی خاصیت اپنی جو دکھاتا ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جھکا جاتا ہے اور طبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے اور پھر جیسے جیسے حواس اس کے کھلتے جاتے ہیں اور شگوفہ فطرت اس کا کھلتا جاتا ہے یہ کشش محبت جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا رنگ روپ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے۔ پھر تو یہ ہوتا ہے کہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا اور پورا آرام اس کا اسی کے کنار عاطفت میں ہوتا ہے اور اگر ماں سے علیحدہ کر دیا جائے اور دور کر دیا جائے تو تمام عیش اس کا تلخ ہو جاتا ہے اور اگرچہ اس کے آگے نعمتوں کا ایک ڈھیر ڈال دیا جائے تب بھی وہ اپنی سچی خوشحالی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے اور اس کے بغیر کسی طرح آرام نہیں پاتا سو وہ کشش محبت جو اس کو اپنی ماں کی طرف پیدا ہوتی ہے وہ کیا چیز ہے؟

درحقیقت یہ وہی کشش ہے جو معبود حقیقی کے لئے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلق محبت پیدا کرتا ہے درحقیقت وہی کشش کام کر رہی ہے اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے

درحقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے گویا دوسری چیزوں کو اٹھا اٹھا کر ایک گم شدہ چیز کی تلاش کر رہا ہے جس کا اب نام بھول گیا ہے سو انسان کا مال یا اولاد یا بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز کے گیت کی طرف اسکی روح کا کھینچے جانا درحقیقت اسی گمشدہ محبوب کی تلاش ہے اور چونکہ انسان اس دقیق در دقیق ہستی کو جو آگ کی طرح ہر ایک میں مخفی اور سب پر پوشیدہ ہے اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا اور نہ اپنی ناتمام عقل سے اس کو پا سکتا ہے اس لئے اس کی معرفت کے بارہ میں انسان کو بڑی بڑی غلطیاں لگی ہیں اور سہو کاریوں سے اُس کا حق دوسرے کو دیا گیا ہے خدا نے قرآن شریف میں یہ خوب مثال دی ہے کہ دنیا ایک ایسے شیش محل کی طرح ہے جس کی زمین کا فرش نہایت مصفا شیشوں سے کیا گیا ہے اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑا گیا ہے جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اب ہر ایک نظر جو شیشوں پر پڑتی ہے وہ اپنی غلطی سے ان شیشوں کو بھی پانی سمجھ لیتی ہے اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسا کہ پانی سے ڈرنا چاہئے حالانکہ وہ حقیقت شیشے ہیں مگر صاف اور شفاف سو یہ بڑے بڑے اجرام جو نظر آتے ہیں جیسے آفتاب و ماہتاب وغیرہ یہ وہی صاف شیشے ہیں جن کی غلطی سے پرستش کی گئی اور ان کے نیچے ایک **اعلےٰ طاقت** کام کر رہی ہے جو ان شیشوں کے پردہ میں پانی کی طرح بڑی تیزی سے چل رہی ہے اور مخلوق پرستوں کی نظر کی یہ غلطی ہے کہ انہیں شیشوں کی طرف کام کو منسوب کر رہے ہیں جو ان کے **نیچے کی طاقت** دکھلا رہی ہے یہی تفسیر اس **آیت کریمہ** کی ہے اِنَّہٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ۔ غرض چونکہ خدا تعالیٰ کی ذات باوجود نہایت روشن ہونے کے پھر بھی نہایت مخفی ہوتی ہے اس لئے اس کی شناخت کے لئے صرف یہ نظام جسمانی جو ہماری نظروں کے سامنے ہے کافی نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ ایسے نظام پر مدار رکھنے والے باوجودیکہ اس ترتیب ابلغ اور محکم کو جو صدہا عجائبات پر مشتمل ہے نہایت غور کی نظر سے دیکھتے رہے بلکہ ہیئت اور طبعی اور فلسفہ میں وہ مہارتیں پیدا کیں کہ گویا آسمان و زمین کے اندر دھس گئے مگر پھر بھی شکوک اور شبہات کی تاریکی سے نجات نہ پا سکے اور اکثر ان کے طرح طرح کی خطاؤں میں مبتلا ہو گئے۔ اور بیہودہ اوہام میں پڑ کر کہیں کے کہیں چلے گئے اور اگر ان کو اس صانع کے وجود کی طرف کچھ خیال بھی آیا تو بس اسی قدر کہ اس اعلیٰ اور عمدہ نظام کو دیکھ کر یہ ان کے دل میں پڑا کہ اس عظیم الشان سلسلہ کا جو پُر حکمت نظام اپنے ساتھ رکھتا ہے کوئی پیدا کرنے والا ضرور چاہئے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ خیال ناتمام اور یہ معرفت ناقص ہے کیونکہ یہ کہنا کہ اس سلسلہ کے لئے ایک خدا کی ضرورت ہے اس دوسرے کلام سے ہرگز مساوی نہیں کہ وہ خدا درحقیقت ہے بھی۔ غرض یہ ان کی صرف قیاسی معرفت تھی جو دل کو اطمینان اور سکینت نہیں بخش سکتی

اور نہ شکوک کی بکلی دل پر سے اٹھا سکتی ہے اور نہ یہ ایسا پیالہ ہے جس سے وہ پیاس معرفت تامہ کی بجھ سکے جو انسان کی فطرت کو لگائی گئی ہے بلکہ ایسی معرفت ناقصہ نہایت پر خطر ہوتی ہے کیونکہ بہت شور ڈالنے کے بعد پھر آخر ہیچ اور بے نتیجہ ندارد ہے۔ غرض جب تک خود خدا تعالیٰ اپنے موجود ہونے کو اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے جیسا کہ اُس نے اپنے کام سے ظاہر کیا تب تک صرف کام کا ملاحظہ تسلی بخش نہیں ہے مثلاً اگر ہم ایک ایسی کوٹھڑی کو دیکھیں جس میں یہ بات عجیب ہو کہ اندر سے کنڈیاں لگائی گئی ہیں تو اس فعل سے ہم ضرور اول یہ خیال کرینگے کہ کوئی انسان اندر ہے جس نے اندر سے زنجیر کو لگایا ہے کیونکہ باہر سے اندر کی زنجیروں کو لگانا غیر ممکن ہے لیکن جب ایک مدت تک بلکہ برسوں تک باوجود بار بار آواز دینے کے اس انسان کی طرف سے کوئی آواز نہ آوے تو آخر یہ رائے ہماری کہ کوئی اندر ہے بدل جائے گی اور یہ خیال کرینگے کہ اندر کوئی نہیں بلکہ کسی حکمت عملی سے اندر کی کنڈیاں لگائی گئی ہیں یہی حال ان فلاسفروں کا ہے جنہوں نے صرف فعل کے مشاہدہ پر اپنی معرفت کو ختم کر دیا ہے یہ بڑی غلطی ہے جو خدا کو ایک مردہ کی طرح سمجھا جائے جس کو قبر سے نکالنا صرف انسان کا کام ہے۔ اگر خدا ایسا ہے جو صرف انسانی کوشش نے اس کا پتہ لگایا تو ایسے خدا کی نسبت ہماری سب امیدیں عبث ہیں بلکہ خدا تو وہی ہے جو ہمیشہ سے اور **قدیم** سے آپ **انا الموجود** کہہ کر لوگوں کو اپنی طرف بلاتا رہا ہے یہ بڑی گستاخی ہوگی کہ ہم ایسا خیال کریں کہ اس کی معرفت میں انسان کا احسان اسپر ہے اور اگر فلاسفر نہ ہوتے تو گویا وہ گم کا گم ہی رہتا اور یہ کہنا کہ خدا کیونکر بول سکتا ہے کیا اس کی زبان ہے یہ بھی ایک بڑی بیباکی ہے کیا اس نے جسمانی ہاتھوں کے بغیر تمام آسمانی اجرام اور زمین کو نہیں بنایا۔ کیا وہ جسمانی آنکھوں کے بغیر تمام دنیا کو نہیں دیکھتا۔ کیا وہ جسمانی کانوں کے بغیر ہماری آوازیں نہیں سنتا۔ پس کیا یہ ضروری نہ تھا کہ اسی طرح وہ کلام بھی کرے یہ بات بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کہ خدا کا کلام کرنا آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا ہے۔ ہم اس کے کلام اور مخاطبات پر کسی زمانہ تک مہر نہیں لگاتے بیشک وہ اب بھی ڈھونڈنے والوں کو الہامی چشمہ سے مالامال کرنے کو تیار ہے جیسا کہ پہلے تھا اور اب بھی اس کے فیضان کے ایسے دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ ہاں ضرورتوں کے ختم ہونے پر شریعتیں اور حدود ختم ہوگئیں اور تمام رسالتیں اور نبوتیں اپنے آخری نقطہ پر آکر جو ہمارے سید و مولے صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تھا کمال کو پہنچ گئیں۔ اس آخری نور کا عرب سے ظاہر ہونا بھی خالی حکمت سے نہ تھا عرب وہ بنی اسماعیل کی قوم تھی جو اسرائیل سے منقطع ہو کر حکمت الٰہی سے بیابان فاران میں ڈال دی گئی تھی اور فاران کے معنے ہیں دو فرار کرنے والے یعنے بھاگنے والے۔ پس جن کو حضرت ابراہیم نے بنی اسرائیل سے

علیحدہ کر دیا تھا ان کا توریت کی شریعت میں کچھ حصہ نہیں رہا تھا جیسا کہ لکھا ہے کہ وہ اسحاق کے ساتھ حصہ نہیں پائیں گے۔ پس تعلق والوں نے انہیں چھوڑ دیا اور کسی دوسرے سے ان کا تعلق اور رشتہ نہ تھا۔ دوسرے تمام ملکوں میں کچھ کچھ رسوم عبادات اور احکام کی پائی جاتی تھیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ کسی وقت ان کو نبیوں کی تعلیم پہنچی تھی۔ مگر صرف عرب کا ملک ہی ایک ایسا ملک تھا جو ان تعلیموں سے محض ناواقف تھا اور تمام جہان سے پیچھے رہا ہوا تھا اس لئے آخر میں اس کی نوبت آئی اور اس کی نبوت عام ٹھہری تا تمام ملکوں کو دوبارہ برکات کا حصہ دیوے اور جو غلطی پڑ گئی تھی اس کو نکال دے۔ پس ایسی کامل کتاب کے بعد کس کتاب کا انتظار کریں جس نے سارا کام انسانی اصلاح کا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پہلی کتابوں کی طرح صرف ایک قوم سے واسطہ نہیں رکھا بلکہ تمام قوموں کی اصلاح چاہی اور انسانی تربیت کے تمام مراتب بیان فرمائے وحشیوں کو انسانیت کے آداب سکھائے پھر انسانی صورت بنانے کے بعد اخلاق فاضلہ کا سبق دیا۔ یہ **قرآن** نے ہی دنیا پر احسان کیا کہ طبعی حالتوں اور اخلاق فاضلہ میں فرق کر کے دکھلایا اور جب طبعی حالتوں سے نکالکر اخلاق فاضلہ کے محل عالی تک پہنچایا تو فقط اسی پر کفایت نہ کی بلکہ اور مرحلہ جو باقی تھا یعنے روحانی حالتوں کا مقام اس تک پہنچنے کے لئے پاک معرفت کے دروازے کھولدیئے اور نہ صرف کھولدیئے بلکہ لاکھوں انسانوں کو اس تک پہنچا بھی دیا۔ اور اس طرح پر تینوں قسم کی تعلیم جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کمال خوبی سے بیان فرمائی۔ پس چونکہ وہ تمام تعلیموں کا جن پر دینی تربیت کی ضرورتوں کا مدار ہے کامل طور پر جامع ہے اس لئے یہ دعویٰ اس نے کیا کہ میں نے دائرہ دینی تعلیم کو کمال تک پہنچایا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا یعنے آج میں نے دین تمہارا کامل کیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور میں تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر خوش ہوا یعنے دین کا انتہائی مرتبہ وہ امر ہے جو اسلام کے مفہوم میں پایا جاتا ہے یعنے یہ کہ محض خدا کے لئے ہو جانا اور اپنی نجات اپنے وجود کی قربانی سے چاہنا نہ اور طریق سے اور اس نیت اور اس ارادہ کو عملی طور پر دکھلا دینا یہ وہ نقطہ ہے جس پر تمام کمالات ختم ہوتے ہیں پس جس خدا کو حکیموں نے شناخت نہ کیا **قرآن نے اس سچے خدا کا پتہ بتایا** قرآن نے خدا کی معرفت عطا کرنے کے لئے دو طریق رکھے ہیں۔

اوّل وہ طریق جس کے رو سے انسانی عقل عقلی دلائل پیدا کرنے میں بہت قوی اور روشن ہو جاتی ہے اور انسان غلطی کرنے سے بچ جاتا ہے۔ دوسرا روحانی طریق جس کو ہم تیسرے سوال کے جواب میں عنقریب

انشاء اللہ تعالیٰ بیان کرینگے۔ اب دیکھو کہ عقلی طور پر قرآن شریف نے خدا کی ہستی پر کیا کیا عمدہ اور بے مثل دلائل دیئے ہیں جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی یعنے خدا وہ خدا ہے کہ جس نے ہر ایک شے کے مناسب حال اس کو پیدائش بخشی پھر اس شے کو اپنے کمالات مطلوبہ حاصل کرنیکے لئے راہ دکھلادی اب اگر اس آیت کے مفہوم پر نظر رکھ کر انسان سے لیکر تمام بحری اور بری جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ تک دیکھا جائے تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ ہر ایک چیز کی بناوٹ اس کے مناسب حال معلوم ہوتی ہے پڑھنے والے خود سوچ لیں کیونکہ یہ مضمون بہت وسیع ہے ✦

دوسری دلیل خدا تعالیٰ کی ہستی پر قرآن شریف نے خدا تعالیٰ کا علت العلل ہونا قرار دی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی یعنے تمام سلسلہ علل و معلولات کا تیرے رب پر ختم ہو جاتا ہے تفصیل اس دلیل کی یہ ہے کہ نظر تعمق سے معلوم ہوگا کہ تمام موجودات علل و معلول کے سلسلہ سے مربوط ہے اسی وجہ سے دنیا میں طرح طرح کے علوم پیدا ہو گئے ہیں کیونکہ کوئی حصہ مخلوقات کا نظام سے باہر نہیں بعض بعض کے لئے بطور اصول اور بعض بطور فروع کے ہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ علت یا تو خود اپنی ذات سے قائم ہوگی یا اس کا وجود کسی دوسری علت کے وجود پر منحصر ہوگا اور پھر یہ دوسری علت کسی اور علت پر وعلیٰ ہذا القیاس اور یہ تو جائز نہیں کہ اس محدود دنیا میں علل و معلول کا سلسلہ کہیں جاکر ختم نہ ہو اور غیر متناہی ہو تو بالضرورت ماننا پڑا کہ یہ سلسلہ ضرور کسی اخیر علت پر جاکر ختم ہو جاتا ہے پس جس پر اس تمام سلسلہ کی انتہا ہے وہی خدا ہے آنکھ کھولکر دیکھ لو کہ آیت وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی اپنے مختصر لفظوں میں کس طرح اس دلیل مذکور بالا کو بیان فرما رہی ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ انتہا تمام سلسلہ کی تیرے رب تک ہے ✦

پھر ایک اور **دلیل اپنی ہستی** پر یہ دی جیسا کہ فرماتا ہے لَا الشَّمْسُ یَنْبَغِیْ لَھَا اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ یعنے آفتاب چاند کو نہیں پکڑ سکتا اور نہ رات جو مظہر ماہتاب ہے دن پر جو مظہر آفتاب ہے کچھ تسلط کر سکتی ہے یعنے کوئی ان میں سے اپنی حدود مقررہ سے باہر نہیں جاتا اگر ان کا درپردہ کوئی مدبر نہ ہو تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے یہ دلیل ہیئت پر غور کرنے والوں کے لئے نہایت فائدہ بخش ہے کیونکہ اجرام فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بیشمار گولے ہیں جن کے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے یہ کیسی قدرت حق ہے کہ وہ آپس میں نہ ٹکراتے ہیں اور نہ بال بھر رفتار بدلتے اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے کچھ گھسے اور نہ ان کی کلوں پرزوں میں کچھ فرق آیا اگر سر پہ کوئی محافظ نہیں تو

کیونکہ اتنا بڑا کارخانہ بیشمار برسوں سے خود بخود چل رہا ہے انہیں حکمتوں کی طرف اشارہ کرکے خدا تعالیٰ دوسرے مقام بیں فرماتا ہے اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنے کیا خدا کے وجود میں شک ہو سکتا ہے جس نے ایسے آسمان اور ایسی زمین بنائی ✦

پھر ایک لطیف دلیل اپنی ہستی پر دیتا ہے اور وہ یہ ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یعنے ہر ایک چیز معرض زوال میں ہے اور جو باقی رہنے والا ہے وہ خدا ہے جو جلال والا اور بزرگی والا ہے۔ اب دیکھو کہ اگر ہم فرض کرلیں کہ ایسا ہو کہ زمین ذرہ ذرہ ہو جائے اور اجرام فلکی بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ان پر معدوم کرنے والی ایک ایسی ہوا چلے جو تمام نشان ان چیزوں کے مٹا دے مگر پھر بھی عقل اس بات کو مانتی اور قبول کرتی ہے بلکہ صحیح کانشنس اس کو ضروری سمجھتا ہے کہ اس تمام نیستی کے بعد بھی ایک چیز باقی رہ جائے جس پر فنا طاری نہو اور تبدل اور تغیر کو قبول نہ کرے اور اپنی پہلی حالت پر باقی رہے پس وہ وہی خدا ہے جو تمام فانی صورتوں کو ظہور میں لایا اور خود فنا کی دستبرد سے محفوظ رہا ✦

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر قرآن شریف میں پیش کرتا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی یعنے میں نے روحوں کو کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ قصہ کے رنگ میں روحوں کی اس خاصیت کو بیان فرماتا ہے جو ان کی فطرت میں اس نے رکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی روح فطرت کے رو سے خدا تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتی صرف منکروں کو اپنے خیال میں دلیل نہ ملنے کی وجہ سے انکار ہے مگر باوجود اس انکار کے وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ ہر ایک حادث کے واسطے ضرور ایک محدث ہے دنیا میں ایسا کوئی نادان نہیں کہ اگر مثلاً بدن میں کوئی بیماری ظاہر ہو تو وہ اس بات پر اصرار کرے کہ درپردہ اس بیماری کے ظہور کی کوئی علت نہیں اگر یہ سلسلہ دنیا کا علل اور معلول سے مربوط نہ ہوتا تو قبل از وقت یہ بتا دینا کہ فلان تاریخ طوفان آئیگا یا آندھی آئیگی یا خسوف ہوگا یا کسوف ہوگا یا فلان وقت بیمار مر جائیگا یا فلان وقت تک ایک بیماری کے ساتھ فلان بیماری لاحق ہو جائیگی یہ تمام باتیں غیر ممکن ہو جائیں پس ایسا محقق اگرچہ خدا کے وجود کا اقرار نہیں کرتا مگر ایک طور سے تو اس نے اقرار کر ہی دیا کہ وہ بھی ہماری طرح معلولات کے لئے علل کی تلاش میں ہے یہ بھی ایک قسم کا اقرار ہے اگرچہ کمال اقرار نہیں ماسوائے اس کے اگر کسی ترکیب سے ایک منکر وجود باری کو ایسے طور سے بیہوش کیا جائے کہ وہ اس سفلی زندگی کے خیالات سے بالکل الگ ہو کر اور تمام ارادوں سے معطل رہ کر اعلیٰ ہستی کے قبضہ میں ہو جائے تو وہ اس صورت میں خدا کے وجود کا اقرار کرے گا۔

انکار نہیں کریگا جیسا کہ اس پر بڑے بڑے مجربین کا تجربہ شاہد ہے سو ایسی حالت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اور **مطلب آیت** یہ ہے کہ انکار وجود باری صرف سفلی زندگی تک ہے ورنہ اصل فطرت میں اقرار بھرا ہوا ہے +

صفات باری تعالیٰ

یہ دلائل وجود باری پر ہیں جو ہم نے بطور نمونہ کے لکھدیئے بعد اس کے یہ بھی جاننا چاہئے کہ جس خدا کی طرف ہمیں قرآن شریف نے بلایا ہے اس کی اس نے یہ صفات لکھی ہیں +

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ یعنے وہ خدا جو واحد لاشریک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لایق نہیں یہ اس لئے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شاید اس کی طاقت پر دشمن کی طاقت غالب آجائے اس صورت میں خدائی معرض خطرہ میں رہے گی اور یہ جو فرمایا کہ اس کے سوا کوئی پرستش کے لایق نہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خدا ہے جس کی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفات کاملہ کے ایک خدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ خدا کی صفات فرض کریں تو سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں ہو سکتا وہی خدا ہے جس کی پرستش میں ادنے کو شریک کرنا ظلم ہے پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے یعنے اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے اس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کر سکتا ہم آفتاب اور ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں مگر خدا کا سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں پھر فرمایا کہ وہ عالم الشہادۃ ہے یعنے کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے۔ یہ جایز نہیں کہ وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو وہ اس عالم کے ذرہ ذرہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دیگا اور قیامت برپا کر دے گا اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہو گا سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ هُوَ الرَّحْمٰنُ یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے

محض اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی کے عمل کی پاداش میں ان کے لئے سامان راحت میسّر کرتا ہے جیساکہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنایا۔ اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے اور اس کام کے لحاظ سے خدا تعالیٰ رحمٰن کہلاتا ہے پھر فرمایا کہ الرّحیم یعنے وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضایع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے اور یہ صفت رحیمیت کے نام سے موسوم ہے اور پھر فرمایا مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنے وہ خدا ہر ایک کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اس کا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جس کو اُس نے زمین و آسمان کی حکومت سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو اور آپ کچھ نہ کرتا ہو وہی کارپرداز سب کچھ جزا سزا دیتا ہو یا آئندہ دینے والا ہو اور پھر فرمایا اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ یعنے وہ خدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغ عیب نہیں یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں اگر مثلاً تمام رعیت جلاوطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی قایم نہیں رہ سکتی یا اگر مثلاً تمام رعیت قحط زدہ ہو جائے تو پھر خراج شاہی کہاں سے آئے اور اگر رعیت کے لوگ اس سے بحث شروع کر دیں کہ تجھ میں ہم سے زیادہ کیا ہے تو وہ کونسی لیاقت اپنی ثابت کرے پس خدا تعالیٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے وہ ایک دم میں تمام ملک کو فنا کر کے اور مخلوقات پیدا کر سکتا ہے اگر وہ ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز ظلم کے اس کی بادشاہت چل نہ سکتی کیونکہ وہ دنیا کو ایک مرتبہ معافی اور نجات دیکر پھر دوسری دنیا کہاں سے لاتا کیا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجنے کے لئے پھر پکڑتا اور ظلم کی راہ سے اپنی معافی اور نجات دہی کو واپس لیتا تو اس صورت میں اس کی خدائی میں فرق آتا اور دنیا کے بادشاہوں کی طرح داغدار بادشاہ ہوتا جو دنیا کے لئے قانون بناتے ہیں بات بات میں بگڑتے ہیں اور اپنی خود غرضی کے وقتوں پر جب دیکھتے ہیں کہ ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شیر مادر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً قانون شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز کو بچانے کے لئے ایک کشتی کے سواروں کو تباہی میں ڈال دیا جائے اور ہلاک کیا جائے مگر خدا کو تو یہ اضطرار پیش نہیں آنا چاہئے پس اگر خدا پورا قادر اور عدم سے پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو یا تو وہ کمزور راجوں کی طرح قدرت کی جگہ ظلم سے کام لیتا اور یا عادل بن کر خدائی ہی کو الوداع کہتا بلکہ خدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف پر چل رہا ہے۔ پھر فرمایا اَلسَّلَامُ یعنے وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ سلامتی دینے والا ہے اس کے معنے بھی ظاہر ہیں کیونکہ وہ آپ ہی مصیبتوں میں پڑتا لوگوں کے ہاتھ سے مارا جاتا اور اپنے ارادوں میں ناکام رہتا تو پھر اس بد نمونہ کو دیکھ کر

کس طرح دل تسلی پکڑتے کہ ایسا خدا ہمیں ضرور مصیبتوں سے چھڑا دیگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ باطل معبودوں کے بارہ میں فرماتا ہے إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ۔ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ + الجزو نمبر ۱۷۔ سورہ حج۔ جن لوگوں کو تم خدا بنائے بیٹھے ہو وہ تو ایسے ہیں کہ اگر سب ملکر ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو کبھی پیدا نہ کرسکیں اگرچہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں بلکہ اگر مکھی ان کی چیز چھین کر لیجائے تو انہیں طاقت نہیں ہوگی کہ وہ مکھی سے چیز واپس لے سکیں ان کے پرستار عقل کے کمزور اور وہ طاقت کے کمزور ہیں کیا خدا ایسے ہوا کرتے ہیں خدا تو وہ ہے کہ سب قوتوں والوں سے زیادہ قوت والا اور سب پر غالب آنے والا ہے نہ اس کو کوئی پکڑ سکے نہ مار سکے ایسی غلطیوں میں جو لوگ پڑتے ہیں وہ خدا کا قدر نہیں پہچانتے اور نہیں جانتے خدا کیسا ہونا چاہئے اور پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید پر دلائل قایم کرنے والا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچے خدا کو ماننے والا کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہوسکتا اور نہ خدا کے سامنے شرمندہ ہوگا کیونکہ اس کے پاس زبردست دلائل ہوتے ہیں لیکن بناوٹی خدا کا ماننے والا بڑی مصیبت میں ہوتا ہے وہ بجائے دلائل بیان کرنے کے ہر ایک بیہودہ بات کو راز میں داخل کرتا ہے تا ہنسی نہ ہو اور ثابت شدہ غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے +

اور پھر فرمایا کہ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ + یعنے وہ سب کا محافظ ہے اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کاموں کا بنانیوالا ہے اور اس کی ذات نہایت ہی مستغنی ہے اور فرمایا هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى یعنے وہ ایسا خدا ہے کہ جسموں کا بھی پیدا کرنے والا اور روحوں کا بھی پیدا کرنے والا رحم میں تصویر کھینچنے والا ہے تمام نیک نام جہانتک خیال میں آسکیں سب اسی کے نام ہیں اور پھر فرمایا يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ یعنے آسمان کے لوگ بھی اس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔ اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں اور پھر فرمایا عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ یعنے خدا بڑا قادر ہے یہ پرستاروں کے لئے تسلی ہے کیونکہ اگر عاجز ہو اور قادر نہ ہو تو ایسے خدا سے کیا امید رکھیں اور پھر فرمایا رَبِّ الْعٰلَمِينَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔ یعنے وہی خدا ہے جو تمام عالموں کا پرورش کرنے والا رحمن رحیم اور جزا کے دن کا آپ مالک ہے اس اختیار کو کسی کے ہاتھ نہیں دیا

ہر ایک پکارنے والے کی پکار کو سننے والا اور جواب دینے والا یعنے دعاؤں کا قبول کرنے والا اور پھر فرمایا اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنے ہمیشہ رہنے والا اور تمام جانوں کی جان اور سب کے وجود کا سہارا یہ اس لئے کہا کہ وہ ازلی ابدی نہ ہو تو بھی اس کی زندگی کے بارہ میں بھی دھڑکا رہے گا کہ شاید ہم سے پہلے فوت نہ ہو جائے اور پھر فرمایا کہ وہ خدا اکیلا خدا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا اور نہ کوئی اس کے برابر اور نہ کوئی اس کا ہم جنس +

اور یاد رہے کہ خداتعالیٰ کی توحید کو صحیح طور پر ماننا اور اس میں زیادت یا کمی نہ کرنا یہ وہ عدل ہے جو انسان اپنے مالک حقیقی کے حق میں بجا لاتا ہے یہ تمام حصہ اخلاقی تعلیم کا ہے جو قرآن شریف کی تعلیم میں سے درج ہوا ہے اس میں اصول یہ ہے کہ خداتعالیٰ نے تمام اخلاق کو افراط اور تفریط سے بچایا ہے اور ہر ایک خلق کو اس حالت میں خلق کے نام سے موسوم کیا ہے کہ جب اپنی واقعی اور واجب حد سے کم و بیش نہ ہو تو ظاہر ہے کہ نیکی حقیقی وہی چیز ہے جو دو حدوں کے وسط میں ہوتی ہے یعنی زیادتی اور کمی یا افراط اور تفریط کے درمیان ہوتی ہے ہر ایک عادت جو وسط کی طرف کھینچے اور وسط پر قائم کرے وہی خلق فاضل کو پیدا کرتی ہے محل اور موقعہ کا پہچاننا ایک وسط ہے مثلاً اگر زمیندار اپنا تخم وقت سے پہلے بونے یا وقت کے بعد دونوں صورتوں میں وہ وسط کو چھوڑتا ہے نیکی اور حق اور حکمت سب وسط میں ہے اور وسط موقعہ بینی میں ہے یا یوں سمجھو کہ حق وہ چیز ہے کہ ہمیشہ دو متقابل باطلوں کے وسط میں ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عین موقعہ کا التزام ہمیشہ انسان کو وسط میں رکھتا ہے اور خداشناسی کے بارہ میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ خدا کو جسمانی چیزوں کا مشابہ قرار دے یہی طریق قرآن شریف نے صفات باری تعالےٰ میں اختیار کیا ہے چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا سنتا جانتا بولتا کلام کرتا ہے۔ اور پھر مخلوق کی شباہت سے بچانے کے لئے یہ بھی فرماتا ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ یعنے خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں اس کے لئے مخلوق سے مثالیں مت دو سو خدا کی ذات کو تشبیہ اور تنزیہ کے بین بین رکھنا یہی وسط ہے غرض اسلام کی تعلیم میانہ روی کی تعلیم ہے سورہ فاتحہ بھی میانہ روی کی ہدایت فرماتی ہے کیونکہ خداتعالیٰ فرماتا ہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جو خداتعالیٰ کے مقابل پر قوت غضبی کو استعمال کرکے قویٰ سبعیہ کی پیروی کرتے ہیں اور ضالین سے وہ مراد ہیں جو قویٰ بہیمیہ کی پیروی کرتے ہیں اور میانہ طریق وہ ہے جس کو لفظ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ سے یاد فرمایا ہے غرض اس مبارک امت کے لئے قرآن شریف میں وسط کی ہدایت ہے توریت میں خداتعالیٰ نے

انتقامی امور پر زور دیا تھا اور انجیل میں عفو اور درگذر پر زور دیا تھا اور اس امت کو موقعہ شناسی اور وسط کی تعلیم ملی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا یعنے ہم نے تم کو وسط پر عمل کرنے والے بنایا اور وسط کی تعلیم تمہیں دی سو مبارک وہ جو وسط پر چلتے ہیں خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا۔

روحانی حالتیں

تیسرا حصہ یعنے یہ کہ **روحانی حالتیں کیا ہیں**۔ واضح رہے کہ ہم پہلے اس سے بیان کر چکے ہیں کہ بموجب ہدایت قرآن شریف کے روحانی حالتوں کا منبع اور چشمہ نفس مطمئنہ ہے جو انسان کو با اخلاق ہونے کے مرتبہ سے باخدا ہونے کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔ یعنے اے نفس خدا کے ساتھ آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت کے اندر آ۔ اس جگہ بہتر ہے کہ ہم روحانی حالتوں کے بیان کرنے کے لئے اس **آیت کریمہ** کی تفسیر کسی قدر توضیح سے بیان کریں پس یاد رکھنا چاہئے کہ اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت انسان کی اس دنیوی زندگی میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ آرام پا جائے اور تمام اطمینان اور سرور اور لذت اس کی خدا میں ہی ہو جائے۔ یہی وہ حالت ہے جس کو دوسرے لفظوں میں **بہشتی زندگی** کہا جاتا ہے اس حالت میں انسان اپنے کامل صدق اور صفا اور وفا کے بدلہ میں ایک نقد بہشت پا لیتا ہے اور دوسرے لوگوں کی **بہشت موعود** پر نظر ہوتی ہے اور یہ **بہشت موجود** میں داخل ہوتا ہے اسی درجہ پر پہنچ کر انسان سمجھتا ہے کہ وہ عبادت جس کا بوجھ اس کے سر پر ڈالا گیا ہے درحقیقت وہی ایک ایسی غذا ہے جس سے اس کی روح نشو و نما پاتی ہے اور جس پر اس کی روحانی زندگی کا بڑا بھاری مدار ہے اور اس کے نتیجہ کا حصول کسی دوسرے جہان پر موقوف نہیں ہے اسی مقام پر یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ وہ ساری ملامتیں جو نفس لوامہ انسان کو اس کی ناپاک زندگی پر کرتا ہے اور پھر بھی نیک خواہشوں کو اچھی طرح ابھار نہیں سکتا اور بری خواہشوں سے حقیقی نفرت نہیں دلا سکتا اور نہ نیکی پر ٹھہرنے کی پوری قوت بخش سکتا ہے اس پاک تحریک سے بدل جاتی ہیں جو نفس مطمئنہ کے نشو و نما کا آغاز ہوتی ہے اور اس درجہ پر پہنچکر وقت آجاتا ہے کہ انسان پوری افلاح حاصل کرے اور اب تمام نفسانی جذبات خود بخود افسردہ ہونے لگتے ہیں اور روح پر ایک ایسی طاقت افزا ہوا چلنے لگتی ہے جس سے انسان پہلی کمزوریوں کو ندامت کی نظر سے دیکھتا ہے اس وقت انسانی سرشت پر ایک بھاری انقلاب آتا ہے اور عادات میں ایک تبدل عظیم پیدا

ہوتا ہے اور انسان اپنی پہلی حالتوں سے بہت ہی دور جا پڑتا ہے دھویا جاتا ہے اور صاف کیا جاتا ہے اور خدا نیکی کی محبت کو اپنے ہاتھ سے اس کے دل میں لکھ دیتا ہے اور بدی کا گند اپنے ہاتھ سے اس کے دل سے باہر پھینک دیتا ہے سچائی کی فوج سب کی سب دل کے شہرستان میں آجاتی ہے اور فطرت کے تمام برجوں پر راستبازی کا قبضہ ہو جاتا ہے اور حق کی فتح ہوتی ہے اور باطل بھاگ جاتا ہے اور اپنے ہتھیار پھینک دیتا ہے۔ اس شخص کے دل پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور ہر ایک قدم خدا کے زیر سایہ چلتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ آیات **ذیل** میں انہیں امور کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ وَزَيَّنَهٗ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۔ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۔ یعنے خدا نے مومنوں کے دل میں ایمان کو اپنے ہاتھ سے لکھ دیا ہے۔ اور روح القدس کے ساتھ ان کی مدد کی ہے اے مومنو ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اس کا حسن و جمال تمہارے دل میں بٹھا دیا اور کفر اور بدکاری اور معصیت سے تمہارے دل کو نفرت دیدی اور بری راہوں کا مکروہ ہونا تمہارے دل میں جما دیا یہ سب کچھ خدا کے فضل اور رحمت سے ہوا۔ حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل کب حق کے مقابل ٹھہر سکتا تھا غرض یہ تمام اشارات اس روحانی حالت کی طرف ہیں جو تیسرے درجہ پر انسان کو حاصل ہوتی ہے اور سچی بینائی انسان کو کبھی نہیں مل سکتی جب تک یہ حالت اس کو حاصل نہ ہو اور یہ جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ایمان ان کے دل میں اپنے ہاتھ سے لکھا اور روح القدس سے ان کی مدد کی یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو سچی طہارت اور پاکیزگی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک آسمانی مدد اس کے شامل حال نہ ہو نفس لوامہ کے مرتبہ پر انسان کا یہ حال ہوتا ہے کہ بار بار توبہ کرتا اور بار بار گرتا ہے بلکہ بسا اوقات اپنی صلاحیت سے نا امید ہو جاتا ہے اور اپنی مرض کو ناقابل علاج سمجھ لیتا ہے اور ایک مدت تک ایسا ہی رہتا ہے اور پھر جب وقت مقدر پورا ہو جاتا ہے تو رات یا دن کو ایک دفعہ ایک نور اس پر نازل ہوتا ہے اور اس نور میں الٰہی قوت ہوتی ہے اس نور کے نازل ہونے کے ساتھ ہی ایک عجیب تبدیلی اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور غیبی ہاتھ کا ایک قوی تصرف محسوس ہوتا ہے اور ایک عجیب عالم سامنے آجاتا ہے اس وقت انسان کو پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے اور آنکھوں میں وہ نور آجاتا ہے جو پہلے نہیں تھا لیکن اس راہ کو کیونکر حاصل کریں اور اس روشنی کو کیونکر پاویں۔ سو جاننا چاہئے کہ اس دنیا میں جو دار الاسباب ہے ہر ایک معلول کے لئے ایک علت ہے اور ہر ایک حرکت کے لئے

ایک محرک ہے اور ہر ایک علم حاصل کرنیکے لئے ایک راہ ہے جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو بغیر پابندی ان قواعد کے مل سکے جو قدرت نے ابتدا سے اس کے لئے مقرر کر رکھے ہیں قانون قدرت بتلا رہا ہے کہ ہر ایک چیز کے حصول کے لئے ایک صراط مستقیم ہے اور اس کا حصول اسی پر قدرتاً موقوف ہے مثلاً اگر ہم ایک اندھیری کوٹھری میں بیٹھے ہوں اور آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہو تو ہمارے لئے یہ صراط مستقیم ہے کہ ہم اس کھڑکی کو کھولدیں جو آفتاب کی طرف ہے تب یکدفعہ آفتاب کی روشنی اندر آکر ہمیں منور کر دے گی سو ظاہر ہے کہ اسی طرح خدا کے سچے اور واقعی فیوض کے پانے کے لئے بھی کوئی کھڑکی اور پاک روحانیت کے حاصل کرنے کے لئے کوئی خاص طریق ہوگا اور وہ یہ ہے کہ روحانی امور کے لئے صراط مستقیم کی تلاش کریں جیسا کہ ہم اپنی زندگی کے تمام امور میں اپنی کامیابیوں کے لئے صراط مستقیم کی تلاش کرتے رہتے ہیں مگر کیا وہ یہ طریق ہے کہ ہم صرف اپنی ہی عقل کے زور سے اور اپنی ہی خود تراشیدہ باتوں سے خدا کے وصال کو ڈھونڈیں کیا محض ہماری ہی اپنی منطق اور فلسفہ سے اس کے وہ دروازے ہم پر کھلتے ہیں جن کا کھلنا اس کے قوی ہاتھ پر موقوف ہے یقیناً سمجھو کہ یہ بالکل صحیح نہیں ہے ہم اس حَیّ و قَیُّوم کو محض اپنی ہی تدبیروں سے ہرگز نہیں پا سکتے بلکہ اس راہ میں صراط مستقیم صرف یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی زندگی معہ اپنی تمام قوتوں کے خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر کے پھر خدا کے وصال کے لئے دعا میں لگے رہیں تا خدا کو خدا ہی کے ذریعہ سے پاویں اور سب سے زیادہ پیاری دعا جو عین محل اور موقعہ سوال کا ہمیں سکھاتی ہے اور فطرت کے روحانی جوش کا نقشہ ہمارے سامنے رکھتی ہے وہ دعا ہے جو خدائے کریم نے اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنے **سورہ فاتحہ** میں ہمیں سکھائی ہے اور وہ یہ ہے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ تمام پاک تعریفیں جو ہو سکتی ہیں اُس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور قائم رکھنے والا ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وہی خدا جو ہمارے اعمال سے پہلے ہمارے لئے رحمت کا سامان میسر کرنے والا ہے اور ہمارے اعمال کے بعد رحمت کے ساتھ جزا دینے والا ہے مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ وہ خدا جو جزا کے دن کا وہی ایک مالک ہے کسی اور کو وہ دن نہیں سونپا گیا۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اے وہ جو ان تعریفوں کا جامع ہے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور ہم ہر ایک کام میں توفیق تجھ ہی سے چاہتے ہیں اس جگہ ہم کے لفظ سے پرستش کا اقرار کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے تمام قوے تیری پرستش میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے آستانہ پر جھکے ہوئے ہیں کیونکہ انسان باعتبار اپنی اندرونی قوے کے ایک جماعت اور ایک امت ہے اور اس طرح پر

تمام قوے کا خدا کو سجدہ کرنا یہی وہ حالت ہے جس کو اسلام کہتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھا اور اسپر ثابت قدم کرکے ان لوگوں کی راہ دکھلا جن پر تیرا انعام واکرام ہے اور تیرے مورد فضل وکرم ہو گئے ہیں غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ اور ہمیں ان لوگوں کی راہوں سے بچا جن پر تیرا غضب ہے اور جو تجھ تک نہیں پہنچ سکے اور راہ کو بھول گئے آمین اے خدا ایسا ہی کر یہ آیات سمجھا رہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے انعامات جو دوسرے لفظوں میں فیوض کہلاتے ہیں انہیں پر نازل ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کی خدا کی راہ میں قربانی دیکر اور اپنا تمام وجود اس کی راہ میں وقف کرکے اور اس کی رضا میں محو ہو کر پھر اس وجہ سے دعا میں لگے رہتے ہیں کہ تا جو کچھ انسان کو روحانی نعمتوں اور خدا کے قرب اور وصال اور اس کے مکالمات اور مخاطبات میں سے مل سکتا ہے وہ سب ان کو ملے اور اس دعا کے ساتھ اپنے تمام قوے سے عبادت بجالاتے ہیں اور گناہ سے پرہیز کرتے اور آستانہ الٰہی پر پڑے رہتے ہیں اور جہانتک ان کے لئے ممکن ہے اپنے تئیں بدی سے بچاتے ہیں اور غضب الٰہی کی راہوں سے دور رہتے ہیں سو چونکہ وہ ایک اعلیٰ ہمت اور صدق کیساتھ خدا کو ڈھونڈتے ہیں اس لئے اس کو پالیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی پاک معرفت کے پیالوں سے سیراب کئے جاتے ہیں۔ اس آیت میں جو استقامت کا ذکر فرمایا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچا اور کامل فیض جو روحانی عالم تک پہنچاتا ہے کامل استقامت سے وابستہ ہے اور کامل استقامت سے مراد ایک ایسی حالت صدق ووفا ہے جس کو کوئی امتحان ضرر نہ پہنچا سکے یعنے ایسا پیوند ہو جس کو نہ تلوار کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے اور نہ کوئی دوسری آفت نقصان پہنچا سکے عزیزوں کی موتیں اس سے علیحدہ نکر سکیں۔ پیاروں کی جدائی اس میں خلل انداز نہو سکے بے آبروئی کا خوف کچھ رعب نہ ڈال سکے ہولناک دکھوں سے مارا جانا ایک ذرہ دل کو نہ ڈرا سکے سو یہ دروازہ بہت تنگ ہے اور یہ راہ نہایت دشوار گذار ہے کس قدر مشکل ہے آہ صد آہ اسی کی طرف اللہ جلشانہ ان آیات میں اشارہ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ یعنے ان کو کہدے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہاری برادری اور تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمہاری سوداگری جس کے بند ہونے کا تمہیں خوف ہے اور تمہاری حویلیاں جو تمہارے دل پسند ہیں

خدا سے اور اسکے رسول سے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لڑانے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم اس وقت تک منتظر رہو کہ جبتک خدا اپنا حکم ظاہر کرے اور خدا بدکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائیگا۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کی مرضی کو چھوڑ کر اپنے عزیزوں اور اپنے مالوں سے پیار کرتے ہیں وہ خدا کی نظر میں بدکار ہیں وہ ضرور ہلاک ہونگے کیونکہ اُنھوں نے غیر کو خدا پر مقدم رکھا یہی وہ تیسرا مرتبہ ہے جس میں وہ شخص باخدا بنتا ہے جو اس کے لئے ہزاروں بلائیں خرید لے اور خدا کی طرف ایسے صدق اور اخلاص سے جھک جائے کہ خدا کے سوا کوئی اس کا نہ رہے گویا سب مر گئے پس سچ تو یہ ہے کہ جبتک ہم خود نہ مریں زندہ خدا نظر نہیں آسکتا خدا کے ظہور کا دن وہی ہوتا ہے کہ جب ہماری جسمانی زندگی پر موت آوے ہم اندھے ہیں جبتک غیر کے دیکھنے سے اندھے نہ ہو جائیں ہم مردہ ہیں جبتک خدا کے ہاتھ میں مردہ کی طرح نہ ہو جائیں جب ہمارا مُنہ ٹھیک ٹھیک اسکے محاذات میں پڑیگا تب وہ واقعی استقامت جو تمام نفسانی جذبات پر غالب آتی ہے ہمیں حاصل ہوگی اس سے پہلے نہیں اور یہی وہ استقامت ہے جس سے نفسانی زندگی پر موت آجاتی ہے ہماری استقامت یہ ہے کہ جیسا وہ فرماتا ہے کہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ یعنے یہ کہ قربانی کی طرح میرے آگے گردن رکھدو ایسا ہی ہم اس وقت درجہ استقامت حاصل کرینگے کہ جب ہمارے وجود کے تمام پُرزے اور ہمارے نفس کی تمام قوتیں اسی کام میں لگ جائیں اور ہماری موت اور ہماری زندگی اسی کے لئے ہو جائے جیسا کہ وہ فرماتا ہے قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے کہہ میری نماز اور قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے ہے اور جب انسان کی محبت خدا کے ساتھ اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کا مرنا اور جینا اپنے لئے نہیں بلکہ خدا ہی کے لئے ہو جائے تب وہ خدا جو ہمیشہ سے پیار کرنے والوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اسپر اتارتا ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے اور ہزاروں صدیقوں اور برگزیدوں کا اسی لئے خون ہوا کہ دنیا نے ان کو نہیں پہچانا وہ اسی لئے مکار اور خود غرض کہلائے کہ دنیا کے نورانی چہرہ کو دیکھ نہ سکی جیسا کہ فرماتا ہے یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ یعنے وہ جو منکر ہیں تیری طرف دیکھتے تو ہیں مگر تو انہیں نظر نہیں آتا غرض جب وہ نور پیدا ہوتا ہے تو اس نور کی پیدائش کے دن سے ایک زمینی شخص آسمانی ہو جاتا ہے وہ جو ہر ایک وجود کا مالک ہے اس کے اندر بولتا ہے اور اپنی الوہیت کی چمکیں دکھلاتا ہے اور اس کے دل کو کہ جو پاک محبت سے بھرا ہوا ہے اپنا تخت گاہ بناتا ہے اور جب ہی سے کہ یہ شخص ایک نورانی تبدیلی پا کر ایک نیا آدمی ہو جاتا ہے وہ اس کے لئے ایک نیا

خدا ہو جاتا ہے اور نئی عادتیں اور نئی سنتیں ظہور میں لاتا ہے یہ نہیں کہ وہ نیا خدا ہے یا عادتیں نئی ہیں مگر خدا کی عام عادتوں سے وہ الگ عادتیں ہوتی ہیں جو دنیا کا فلسفہ ان سے آشنا نہیں اور یہ شخص جیسا کہ اللہ جلشانہ نے فرمایا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۔ یعنے انسانوں میں وہ اعلیٰ درجہ کے انسان ہیں جو خدا کی رضا میں کھوئے جاتے ہیں وہ اپنی جان بیچتے ہیں اور خدا کی مرضی کو مول لیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمت ہے ایسا ہی وہ شخص جو روحانی حالت کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہے خدا کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ تمام دکھوں سے وہ شخص نجات پاتا ہے جو میری راہ میں اور میری رضا کی راہ میں جان کو بیچ دیتا ہے اور جانفشانی کے ساتھ اپنی اس حالت کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ خدا کا ہے اور اپنے تمام وجود کو ایک ایسی چیز سمجھتا ہے جو طاعت خالق اور خدمت مخلوق کے لئے بنائی گئی ہے اور پھر حقیقی نیکیاں جو ہر ایک قوت سے متعلق ہیں ایسے شوق و ذوق و حضور دل سے بجا لاتا ہے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ میں اپنے محبوب حقیقی کو دیکھ رہا ہے اور ارادہ اس کا خدا تعالیٰ کے ارادہ سے ہمرنگ ہو جاتا ہے اور تمام لذت اس کی فرمانبرداری میں ٹھہر جاتی ہے اور تمام اعمال صالحہ نہ مشقت کی راہ سے بلکہ تلذذ اور احتظاظ کی کشش سے صادر ہونے لگتے ہیں **وہ نقد بہشت** ہے جو روحانی انسان کو ملتا ہے اور وہ بہشت جو آئندہ ملے گا وہ درحقیقت اسی کی اظلال و آثار ہے جس کو دوسرے عالم میں قدرت خداوندی جسمانی طور پر متمثل کر کے دکھلائے گی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ۔ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا۔ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ سَلٰسِلَا وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا۔ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا یعنے جو شخص خدا تعالیٰ سے خایف ہے اور اس کی عظمت و جلال کے مرتبہ سے ہراسان ہے اسکے لئے دو بہشت ہیں ایک یہی دنیا اور دوسری آخرت اور ایسے لوگ جو خدا میں محو ہیں خدا نے ان کو وہ شربت پلایا ہے جس سے ان کے دل اور خیالات اور ارادات کو پاک کر دیا نیک بندے وہ شربت پی رہے ہیں جس کی ملونی کافور ہے وہ اس چشمہ سے پیتے ہیں جس کو وہ آپ ہی چیرتے ہیں اور میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ کافور کا لفظ اسواسطے اس آیت میں اختیار فرمایا گیا ہے کہ لغت عرب میں کفر دبانے اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں سو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے ایسے خلوص سے انقطاع اور رجوع الی اللہ کا پیالہ پیا ہے کہ دنیا کی محبت

بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے یہ قاعدہ کی بات ہے کہ تمام جذبات دل کے خیال سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور جب دل ان نالایق خیالات سے بہت ہی دور چلا جائے اور کچھ تعلقات ان سے باقی نہ رہیں تو وہ جذبات بھی آہستہ آہستہ کم ہونے لگتے ہیں یہانتک کہ نابود ہو جاتے ہیں سو اس جگہ خدا تعالیٰ کی یہی غرض ہے اور وہ اس آیت میں یہی سمجھاتا ہے کہ جو اس کی طرف کامل طور سے جھک گئے وہ نفسانی جذبات سے بہت ہی دور نکل گئے ہیں اور ایسے خدا کی طرف جھکے کہ دنیا کی سرگرمیوں سے ان کے دل ٹھنڈے ہو گئے اور ان کے جذبات ایسے دب گئے جیسا کہ کافور زہریلے مادوں کو دبا دیتا ہے اور پھر فرمایا کہ وہ لوگ اس کافوری پیالہ کے بعد وہ پیالے پیتے ہیں جن کی ملونی زنجبیل ہے اب جاننا چاہئے کہ زنجبیل دو لفظوں سے مرکب ہے یعنے زناء اور جبل سے اور زناء لغت عرب میں اوپر چڑھنے کو کہتے ہیں اور جبل پہاڑ کو اسکے ترکیبی معنے یہ ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ گیا اب جاننا چاہئے کہ انسان پر ہر ایک زہریلی بیماری کے فرو ہونے کے بعد اعلیٰ درجہ کی صحت تک دو حالتیں آتی ہیں ایک وہ حالت جبکہ زہریلے موادکا جوش بکلی جاتا رہتا ہے اور خطرناک مادوں کا جوش رو باصلاح ہو جاتا ہے اور سمی کیفیات کا حملہ بخیر و عافیت گذر جاتا ہے اور ایک مہلک طوفان جو اٹھا تھا نیچے دب جاتا ہے لیکن ہنوز اعضا میں کمزوری باقی ہوتی ہے کوئی طاقت کا کام نہیں ہو سکتا ابھی مردہ کی طرح افتان و خیزان چلتا ہے اور دوسری وہ حالت ہے کہ جب اصلی صحت عود کر آتی اور بدن میں طاقت بھر جاتی ہے اور قوت کے بحال ہونے سے یہ حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بلا تکلف پہاڑ کے اوپر چڑھ جائے اور نشاط خاطر سے اونچی گھاٹیوں پر دوڑتا چلا جائے سو سلوک کے تیسرے مرتبہ میں یہ حالت میسر آتی ہے ایسی حالت کی نسبت اللہ تعالیٰ آیت موصوفہ میں اشارہ فرماتا ہے کہ انتہائی درجہ کے باخدا لوگ وہ پیالے پیتے ہیں جن میں زنجبیل ملی ہوئی ہے یعنے وہ روحانی حالت کی پوری قوت پاکر بڑی بڑی گھاٹیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور بڑے مشکل کام ان کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوتے ہیں اور خدا کی راہ میں حیرت ناک جانفشانیاں دکھلاتے ہیں +

اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ علم طب کے رو سے زنجبیل وہ دوا ہے جس کو ہندی میں سونٹھ کہتے ہیں وہ حرارت عزیزی کو بہت قوت دیتی ہے اور دستوں کو بند کرتی ہے اور اس کا زنجبیل اسی واسطے نام رکھا گیا ہے کہ گویا وہ کمزور کو ایسا قوی کرتی ہے اور ایسی گرمی پہنچاتی ہے جس سے وہ پہاڑوں پر چڑھ سکے ان متقابل آیتوں کے پیش کرنے سے جن میں ایک جگہ کافور کا ذکر ہے اور ایک جگہ زنجبیل کا۔ خدا تعالیٰ کی یہ غرض ہے کہ تا اپنے بندوں کو سمجھائے کہ جب انسان جذبات نفسانی سے نیکی کی طرف حرکت کرتا ہے تو پہلے پہل اس حرکت

کے بعد یہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ اسکے زہریلے مواد نیچے دبائے جاتے ہیں اور نفسانی جذبات رو بکمی ہونے لگتے ہیں جیساکہ کافور زہریلے مواد کو دبا لیتا ہے اسی لئے وہ ہیضہ اور محرقہ تپوں میں مفید ہے اور پھر جب زہریلے مواد کا جوش بالکل جاتا رہے اور ایک کمزور صحت جو ضعف کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے حاصل ہو جائے تو پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف بیمار زنجبیل کے شربت سے قوت پاتا ہے اور زنجبیلی شربت خدا تعالیٰ کے حسن و جمال کی تجلی ہے جو روح کی غذا ہے جب اس تجلی سے انسان قوت پکڑتا ہے تو پھر بلند اور اونچی گھاٹیوں پر چڑھنے کے لایق ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ایسی حیرتناک سختی کے کام دکھلاتا ہے کہ جب تک یہ عاشقانہ گرمی کسی کے دل میں نہ ہو ہرگز ایسے کام دکھلا نہیں سکتا سو خدا تعالیٰ نے اس جگہ ان دو حالتوں کے سمجھانے کے لئے عربی زبان کے دو لفظوں سے کام لیا ہے ایک کافور سے جو نیچے دبانے والے کو کہتے ہیں اور دوسرے زنجبیل سے جو اوپر چڑھنے والے کو کہتے ہیں اور اس راہ میں بھی دو حالتیں سالکوں کے لئے واقعہ ہیں باقی حصہ آیت کا یہ ہے۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا یعنے ہم منکروں کے لئے جو سچائی کو قبول کرنا نہیں چاہتے زنجیریں تیار کر دی ہیں اور طوق گردن اور ایک افروختہ آگ کی سوزش۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سچے دل سے خدا تعالیٰ کو نہیں ڈھونڈتے اُن پر خدا کی طرف سے رجعت پڑتی ہے وہ دنیا کی گرفتاریوں میں ایسے مبتلا رہتے ہیں کہ گویا پابزنجیر ہیں اور زمینی کاموں میں ایسے نگونسار ہوتے ہیں کہ گویا ان کی گردن میں ایک طوق ہے جو ان کو آسمان کی طرف سر نہیں اُٹھانے دیتا اور ان کے دلوں میں حرص و ہوا کی ایک سوزش لگی ہوئی ہوتی ہے کہ یہ مال حاصل ہو جائے اور یہ جایداد مل جائے اور فلاں ملک ہمارے قبضہ میں آجائے اور فلاں دشمن پر ہم فتح پا جائیں اس قدر روپیہ ہو اتنی دولت ہو سو چونکہ خدا تعالیٰ ان کو نالایق دیکھتا ہے اور بُرے کاموں میں مشغول پاتا ہے اسلئے یہ تینوں بلائیں ان کو لگا دیتا ہے اور اس جگہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب انسان سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے تو اسی کے مطابق خدا بھی اپنی طرف سے ایک فعل صادر کرتا ہے مثلاً انسان جس وقت اپنی کوٹھڑی کے تمام دروازوں کو بند کر دے تو انسان کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل ہو گا کہ وہ اس کوٹھڑی میں اندھیرا پیدا کر دیگا کیونکہ جو امور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں ہمارے کاموں کے لئے بطور ایک نتیجہ لازمی کے مقرر ہو چکے ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے فعل ہیں وجہ یہ کہ وہی علت العلل ہے ایسا ہی اگر مثلاً کوئی شخص زہر قاتل کھالے تو اس کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل صادر ہو گا کہ اسے ہلاک کر دیگا ایسا ہی اگر کوئی ایسا بیجا فعل کرے

جوکسی متعدی بیماری کا موجب ہو تو اس کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ متعدی بیماری اس کو پکڑے گی۔ پس جس طرح ہماری دنیوی زندگی میں صریح نظر آتا ہے کہ ہمارے ہر ایک فعل کے لئے ایک ضروری نتیجہ ہے اور وہ نتیجہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے ایسا ہی دین کے متعلق بھی یہی قانون ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ ان دو مثالوں میں صاف فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ یعنے جو لوگ اس فعل کو بجا لائے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی جستجو میں پوری پوری کوشش کی تو اس فعل کے لئے لازمی طور پر ہمارا یہ فعل ہوگا کہ ہم ان کو اپنی راہ دکھا دینگے اور جن لوگوں نے کجی اختیار کی اور سیدھی راہ پر چلنا نہ چاہا تو ہمارا فعل ان کی نسبت یہ ہوگا کہ ہم ان کے دلوں کو کج کر دینگے اور پھر اس حالت کو زیادہ توضیح دینے کے لئے فرمایا مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا یعنے جو شخص اس جہان میں اندھا رہا وہ آنے والے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اندھوں سے بدتر یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نیک بندوں کو خدا کا دیدار اسی جہان میں ہو جاتا ہے اور وہ اسی جگہ میں اپنے اس پیارے کا درشن پا لیتے ہیں جسکے لئے وہ سب کچھ کھوتے ہیں غرض مفہوم اس آیت کا یہی ہے کہ بہشتی زندگی کی بنیاد اسی جہان سے پڑتی ہے اور جہنمی نابینائی کی جڑ بھی اسی جہان کی گندہ اور کورانہ زیست ہے اور پھر فرمایا وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ + یعنے جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل بجا لاتے ہیں وہ ان باغوں کے وارث ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں پس واضح رہے کہ اس جگہ ایک اعلیٰ درجہ کی فلاسفی کے رنگ میں بتلایا گیا ہے کہ جو رشتہ نہروں کا باغ کے ساتھ ہے وہی رشتہ اعمال کا ایمان کے ساتھ ہے پس جیسا کہ کوئی باغ بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا ایسا ہی کوئی ایمان بغیر نیک کاموں کے زندہ ایمان نہیں کہلا سکتا اگر ایمان ہو اور اعمال نہ ہوں تو وہ ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور عمل کا ایک ظل ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی بلکہ انسان کی بہشت انسان کے اندر ہی سے نکلتی ہے اور ہر ایک کی بہشت اسی کا ایمان اور اسی کے اعمال صالحہ ہیں جنکی اسی دنیا میں لذت شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہونگے خدا کی پاک تعلیم ہمیں یہی بتلاتی ہے کہ سچا اور پاک اور مستحکم اور کامل ایمان جو خدا اور اس کے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت خوشنما اور باردار درخت ہے

اور اعمال صالحہ اس بہشت کی نہریں ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ یعنے وہ ایمانی کلمہ جو ہر ایک افراط تفریط اور نقص اور خلل اور کذب اور ہزل سے پاک اور من کل الوجوہ کامل ہو اس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو ہر ایک عیب سے پاک ہو جس کی جڑ زمین میں قائم اور شاخیں آسمان میں ہوں اور اپنے پھل کو ہمیشہ دیتا ہو اور کوئی وقت اسپر نہیں آتا کہ اس کی شاخوں میں پھل نہ ہوں۔ اس بیان میں خداتعالیٰ نے ایمانی کلمہ کو ہمیشہ پھلدار درخت سے مشابہت دیکر تین علامتیں اس کی بیان فرمائیں (۱) اول یہ کہ جڑ اس کی جو اصل مفہوم سے مراد ہے انسان کے دل کی زمین میں ثابت ہو یعنے انسانی فطرت اور انسانی کانشنس نے اس کی حقانیت اور اصلیت کو قبول کر لیا ہو (۲) دوسری علامت یہ کہ اس کلمہ کی شاخیں آسمان میں ہوں یعنے معقولیت اپنے ساتھ رکھتا ہو اور آسمانی قانون قدرۃ جو خدا کا فعل ہے اس فعل کے مطابق ہو مطلب یہ کہ اس صحت اور اصلیت کے دلائل قانون قدرۃ سے مستنبط ہو سکتے ہوں اور نیز یہ کہ وہ دلائل ایسے اعلیٰ ہوں کہ گویا آسمان میں ہیں جن تک اعتراض کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا (۳) تیسری علامت یہ ہے کہ وہ پھل جو کھانے کے لائق ہے دائمی اور غیر منقطع ہو یعنے عملی مزاولت کے بعد اس کی برکات و تاثیرات ہمیشہ اور ہر زمانہ میں مشہور اور محسوس ہوتی ہوں یہ نہیں کہ کسی خاص زمانہ تک ظاہر ہو کر پھر آگے بند ہو جائیں اور پھر فرمایا مَثَلُ کَلِمَۃٍ خَبِیْثَۃٍ کَشَجَرَۃٍ خَبِیْثَۃِ اِنِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَھَا مِنْ قَرَارٍ یعنے پلید کلمہ اس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو زمین میں اکھڑا ہوا ہو یعنے فطرت انسانی اسکو قبول نہیں کرتی اور کسی طور سے وہ قرار نہیں پکڑتا نہ دلائل عقلیہ کے رو سے نہ قانون قدرت کے رو سے صرف قصہ اور کہانی کے رنگ میں ہوتا ہے اور جیسا کہ قرآن شریف نے عالم آخرت میں ایمان کے پاک درختوں کو انگور اور انار اور عمدہ میووں سے مشابہت دی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اس روز وہ ان میووں کی صورت میں متمثل ہونگے اور دکھائی دینگے ایسا ہی بے ایمانی کے خبیث درخت کا نام عالم آخرت میں زقوم رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اَذٰلِکَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَۃُ الزَّقُّوْمِ اِنَّا جَعَلْنٰھَا فِتْنَۃً لِّلظّٰلِمِیْنَ اِنَّھَا شَجَرَۃٌ تَخْرُجُ فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِیْمِ طَلْعُھَا کَاَنَّہٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِیْمِ کَالْمُھْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ یعنے تم بتلاؤ کہ بہشت کے باغ اچھے ہیں یا زقوم کا درخت جو ظالموں کے لئے ایک بلا ہے وہ ایک درخت ہے

جو جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے یعنے تکبر اور خود بینی سے پیدا ہوتا ہے یہی دوزخ کی جڑ ہے اس کا شگوفہ ایسا ہی جیسا کہ شیطان کا سر شیطان کے معنے ہیں ہلاک ہونے والا یہ لفظ شیط سے نکلا ہے۔ پس حاصل کلام یہ ہے کہ اس کا کھانا ہلاک ہونا ہے اور پھر فرمایا کہ زقوم کا درخت ان دوزخیوں کا کھانا ہے جو عمداً گناہ کو اختیار کر لیتے ہیں وہ کھانا ایسا ہے جیسا کہ تانبا گلا ہوا کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں جوش مارنے والا پھر دوزخی کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ اس درخت کو چکھ تو عزت والا اور بزرگ ہے یہ کلام نہایت غضب کا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر تو تکبر نہ کرتا اور اپنی بزرگی اور عزت کا پاس کرکے حق سے مُنہ نہ پھیرتا تو آج یہ تلخیاں تجھے اٹھانی نہ پڑتیں یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ دراصل یہ لفظ زقوم کا ذق اور ام سے مرکب ہے اور ام إنك انت العزيز الكريم کا ملخص ہے جس میں ایک حرف پہلے کا اور ایک حرف آخر کا موجود ہے اور کثرت استعمال نے ذال زا کے ساتھ بدلدیا ہے اب حاصل کلام یہ ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا کے ایمانی کلمات کو بہشت کے ساتھ مشابہت دی ایسا ہی اسی دنیا کے بے ایمانی کے کلمات کو زقوم کے ساتھ مشابہت دی اور اس کو دوزخ کا درخت ٹھہرایا اور ظاہر فرما دیا کہ بہشت اور دوزخ کی جڑ اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے جیسا کہ دوزخ کے باب میں ایک اور جگہ فرماتا ہے نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ۔ یعنے دوزخ وہ آگ ہے جو خدا کا غضب اور اس کا منبع ہے اور گناہ سے بھڑکتی ہے اور پہلے دل پر غالب ہوتی ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس آگ کی اصل جڑ وہ غم اور حسرتیں اور درد ہیں جو دل کو پکڑتے ہیں کیونکہ تمام روحانی عذاب پہلے دل سے ہی شروع ہوتے ہیں اور پھر تمام بدن پر محیط ہو جاتے ہیں اور پھر ایک جگہ فرمایا وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ یعنے جہنم کی آگ کا ایندھن جس سے وہ آگ ہمیشہ افروختہ رہتی ہے دو چیزیں ہیں ایک وہ انسان جو حقیقی خدا کو چھوڑ کر اور اور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں یا ان کی مرضی سے ان کی پرستش کیجاتی ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ یعنے تم اور تمہارے معبود باطل جو انسان ہو کر خدا کہلاتے رہے جہنم میں ڈالے جائینگے (۲) دوسرا ایندھن جہنم کا بت ہیں مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا وجود نہ ہوتا تو جہنم بھی نہ ہوتا سو ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک کلام میں بہشت اور دوزخ اس جسمانی دنیا کی طرح نہیں ہے بلکہ ان دونوں کا مبدء اور منبع روحانی امور ہیں ہاں وہ چیزیں دوسرے عالم میں جسمانی شکل پر نظر آئیں گی مگر اس جسمانی عالم سے نہیں ہونگی اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف عود کرکے

کہتے ہیں کہ خدا کے ساتھ روحانی اور کامل تعلق پیدا ہونے کا ذریعہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہے **اسلام** اور **دعاء فاتحہ** ہے یعنی اول اپنی تمام زندگی خدا کی راہ میں وقف کر دینا اور پھر اس دعاء میں لگے رہنا جو سورۂ فاتحہ میں مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے تمام اسلام کا مغز یہ دونوں چیزیں ہیں۔ اسلام اور دعاء فاتحہ دنیا میں خدا تک پہنچنے اور حقیقی نجات کا پانی پینے کے لئے یہی ایک اعلیٰ ذریعہ ہے جو قانون قدرت نے انسان کی اعلیٰ ترقی اور وصال الٰہی کے لئے مقرر کیا ہے اور وہی خدا کو پاتے ہیں کہ جو اسلام کے مفہوم کی روحانی آگ میں داخل ہوں اور دعاء فاتحہ میں لگے رہیں اسلام کیا چیز ہے وہی جلتی ہوئی آگ جو ہماری سفلی زندگی کو بھسم کر کے اور ہمارے باطل معبودوں کو جلا کر سچے اور پاک معبود کے آگے ہماری جان اور ہمارے مال اور ہماری آبرو کی قربانی پیش کرتی ہے ایسے چشمہ میں داخل ہو کر ہم ایک نئی زندگی کا پانی پیتے ہیں اور ہماری تمام روحانی قوتیں خدا سے یوں پیوند پکڑتی ہیں جیسا کہ ایک رشتہ دوسرے رشتہ سے پیوند کیا جاتا ہے بجلی کی آگ کی طرح ایک آگ ہمارے اندر سے نکلتی ہے اور ایک آگ اوپر سے ہم پر اترتی ہے ان دونوں شعلوں کے ملنے سے ہماری تمام ہوا و ہوس اور غیر اللہ کی محبت بھسم ہو جاتی ہے اور ہم اپنی پہلی زندگی سے مر جاتے ہیں اس حالت کا نام قرآن شریف کے رو سے اسلام ہے

اسلام سے ہمارے نفسانی جذبات کو موت آتی ہے اور پھر دعا سے ہم از سر نو زندہ ہوتے ہیں اس دوسری زندگی کے لئے الہام الٰہی ہونا ضروری ہے اسی مرتبہ پر پہنچنے کا نام لقاء الٰہی ہے یعنے خدا کا دیدار اور خدا کا درشن۔ اس درجہ پر پہنچکر انسان کو خدا سے وہ اتصال ہوتا ہے کہ گویا وہ اس کو آنکھ سے دیکھتا ہے اور اس کو قوت دیجاتی ہے اور اس کے تمام حواس اور تمام اندرونی قوتیں روشن کی جاتی ہیں اور پاک زندگی کی کشش بڑے زور سے شروع ہو جاتی ہے اسی درجہ پر آ کر خدا انسان کی آنکھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور زبان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ بولتا ہے اور ہاتھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ حملہ کرتا ہے اور کان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اور پیر ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ چلتا ہے اسی درجہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا فرماتا ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یہ اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے جو ان کے ہاتھوں پر ہے اور ایسا ہی فرماتا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی یعنے جو تو نے چلایا تو نے نہیں بلکہ خدا نے چلایا غرض اس درجہ پر خدا کے ساتھ کمال اتحاد ہو جاتا ہے اور خدا تعالےٰ کی پاک مرضی روح کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے اور اخلاقی طاقتیں جو کمزور تھیں اس درجہ میں محکم پہاڑوں کی طرح نظر آتی ہیں عقل اور فراست نہایت لطافت پر آ جاتی ہے یہ معنے اس آیت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ اس مرتبہ میں محبت اور عشق کی نہریں ایسے طور سے جوش مارتی ہیں جو خدا کے لئے مرنا

اور خدا کے لئے ہزاروں دکھ اٹھانا اور بے آبرو ہونا ایسا آسان ہو جاتا ہے کہ گویا ایک ہلکا سا تنکا توڑنا ہے خدا کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ کون کھینچ رہا ہے ایک غیبی ہاتھ اس کو اٹھائے پھرتا ہے اور خدا کی مرضیوں کو پورا کرنا اس کی زندگی کا اصل الاصول ٹھہر جاتا ہے اس مرتبہ میں خدا بہت ہی قریب دکھائی دیتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کہ ہم اس سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں ایسی حالت میں اس مرتبہ کا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح پھل پختہ ہو کر خود بخود درخت پر سے گر جاتا ہے اسی طرح اس مرتبہ کے آدمی کے تمام تعلقات سفلی کالعدم ہو جاتے ہیں اس کا اپنے خدا سے ایک گہرا تعلق ہو جاتا ہے اور وہ مخلوق سے دور چلا جاتا اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات سے شرف پاتا ہے اس مرتبہ کے حاصل کرنے کیلئے اب بھی دروازے کھلے ہیں جیسا کہ پہلے کھلے ہوئے تھے اور اب بھی خدا کا فضل یہ نعمت ڈھونڈنے والوں کو دیتا ہے جیسا کہ پہلے دیتا تھا مگر یہ راہ محض زبان کی فضولیوں کے ساتھ حاصل نہیں ہوتی اور نقطہ بے حقیقت باتوں اور لافوں سے یہ دروازہ نہیں کھلتا چاہنے والے بہت ہیں مگر پانے والے کم اس کا کیا سبب ہے یہی کہ یہ مرتبہ سچی سرگرمی سچی جانفشانی پر موقوف ہے باتیں قیامت تک کیا کرو کیا ہو سکتا ہے صدق سے اس آگ پر قدم رکھنا جس کے خوف سے اور لوگ بھاگتے ہیں اس راہ کی پہلی شرط ہے اگر عملی سرگرمی نہیں تو لاف زنی ہیچ ہے وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا لِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝ یعنے اگر میرے بندے میری نسبت سوال کریں کہ وہ کہاں ہے تو ان کو کہہ کہ وہ تم سے بہت ہی قریب ہے۔ میں دعا کرنے والے کی دعا سنتا ہوں پس چاہئے کہ وہ دعاؤں سے میرا وصل ڈھونڈیں اور مجھ پر ایمان لاویں تا کامیاب ہوویں +

دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء

از حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی مسعود

تمہید

جس پیغام کو ہم اس وقت اپنے عزیزان ملک کے پاس اس رسالہ کے ذریعہ سے پہنچانا چاہتے ہیں اس کی نسبت ہمیں انبیاء علیہم السلام کے قدیم تجربہ کے رو سے یہ ثابت ہے کہ سردست اس ہماری ہمدردی کا قدر یہی ہوگا کہ پھر دوبارہ ہم اسلام کے مولویوں اور عیسائی مذہب کے پادریوں اور ہندو مذہب کے پنڈتوں سے گالیاں سنیں اور طرح طرح رنج دہ خطابوں سے یاد کئے جاویں اور ہمیں پہلے سے خوب معلوم ہے کہ ایسا ہی ہوگا لیکن ہم نے نوع انسان کی ہمدردی کو اس بات سے مقدم رکھا ہے کہ عام بدزبانی سے ہم ستائے جائیں کیونکہ باوجود اس کے یہ بھی احتمال ہے کہ ان صدہا اور ہزارہا گالیاں دینے والوں میں سے بعض ایسے بھی پیدا ہو جائیں کہ ایسے وقت میں کہ جب آسمان پر سے ایک آگ برس رہی ہے بلکہ لگے جاڑے میں تو اور بھی زیادہ برسنے کی توقع ہے اس رسالہ کو غور سے پڑھیں اور اس اپنے ناصح شفیق پر جلد ناراض نہ ہوں اور جس نسخہ کو وہ پیش کرتا ہے اس کو آزمالیں کیونکہ اس ہمدردی کے صلہ میں کوئی اجرت یا پاداش ان سے طلب نہیں کی گئی محض سچے خلوص اور نیک نیتی سے انسانوں کی جان چھوڑانے کے لئے ایک آزمودہ اور پاک تجویز پیش کی گئی ہے پس جس حالت میں لوگ بیماریوں میں علاج کی غرض سے بعض جانوروں کا پیشاب بھی پی لیتے ہیں اور بہت سی پلید چیزوں کو استعمال کر لیتے ہیں تو اس صورت میں ان کا کیا حرج ہے کہ اپنی جان چھوڑانے کے لئے اس پاک علاج کو اپنے لئے اختیار کر لیں اور اگر وہ نہیں کرینگے تب بھی بہرحال اس مقابلہ کے وقت میں ایک دن ان کو معلوم ہوگا کہ ان تمام مذاہب میں سے کونسا ایسا مذہب ہے جس کا شفاعت کرنا اور منجی کے بزرگ لفظ کا مصداق ہونا ثابت ہو سکتا ہے سچے منجی کو ہر ایک شخص چاہتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے پس بلاشبہ اب دن آگئے ہیں کہ ثابت ہو کہ سچا منجی کون ہے ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راستباز آدمی جانتے ہیں کہ اپنے زمانے کے

+اکثر لوگوں سے البتہ اچھا تھا واللہ اعلم ۔ مگر وہ حقیقی منجی نہیں تھا یہ اس پر تہمت ہے کہ وہ حقیقی منجی تھا حقیقی منجی ہمیشہ اور قیامت تک نجات کا پھل کھلانے والا وہ ہے جو زمین حجاز میں پیدا ہوا تھا اور تمام دنیا اور تمام

+ یاد رہے کہ یہ جو ہم نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ کے بہت لوگوں کی نسبت اچھے تھے ۔ یہ ہمارا بیان محض نیک ظنی کے طور پر ہے ورنہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں خدا تعالیٰ کی زمین پر بعض راستباز اپنی راستبازی اور تعلق باللہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل اور اعلیٰ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی نسبت فرمایا ہے وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ اس زمانہ کے مقربوں میں سے یہ بھی ایک تھے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ سب مقربوں سے بڑھکر تھے بلکہ اس بات کا امکان نکلتا ہے کہ بعض مقرب ان کے زمانہ کے ان سے بہتر تھے ۔ ظاہر ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے آئے تھے اور دوسرے ملکوں اور قوموں سے ان کو کچھ تعلق نہ تھا پس ممکن بلکہ قریب قیاس ہے کہ بعض انبیاء جو لَمْ نَقْصُصْ میں داخل ہیں وہ ان سے بہتر اور افضل ہوں گے اور جیسا کہ حضرت موسیٰ کے مقابل پر آخر ایک انسان نکل آیا جس کی نسبت خدا نے عَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا فرمایا تو پھر حضرت عیسیٰ کی نسبت جو موسیٰ سے کمتر اور اس کی شریعت کے پیرو تھے اور خود کوئی کامل شریعت نہ لائے تھے ۔ اور ختنہ اور مسائل فقہ اور وراثت اور حرمت خنزیر وغیرہ میں حضرت موسیٰ کی شریعت کے تابع تھے ۔ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ بالاطلاق اپنے وقت کے تمام راستبازوں سے بڑھکر تھے جن لوگوں نے ان کو خدا بنایا ہے جیسے عیسائی یا وہ جنہوں نے خواہ نخواہ خدائی صفات انہیں دی ہیں جیسا کہ ہمارے مخالف اور خدا کے مخالف نام کے مسلمان وہ اگر ان کو اوپر اُٹھاتے اُٹھاتے آسمان پر چڑھا دیں یا عرش پر بٹھا دیں یا خدا کی طرح پرندوں کا پیدا کرنے والا قرار دیں تو ان کو اختیار ہے ۔ انسان جب حیا اور انصاف کو چھوڑ دے تو جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے لیکن مسیح کی راستبازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اسکے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اسکے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اسکی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے اور پھر یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یحییٰ کے ہاتھ پر جسکو عیسائی یوحنا کہتے ہیں جو پیچھے ایلیا بنایا گیا اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی اور ان کے خاص مریدوں میں داخل ہوئے تھے اور یہ بات حضرت یحییٰ کی فضیلت کو بداہت ثابت کرتی ہے کیونکہ بمقابل اسکے یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ یحییٰ نے بھی کسی کے ہاتھ پر توبہ کی تھی پس اس کا معصوم ہونا بدیہی امر ہے اور مسلمانوں میں یہ جو مشہور ہے کہ عیسے اور اسکی ماں مس شیطان سے پاک ہیں اسکے معنے نادان لوگ نہیں سمجھتے اصل بات یہ ہے کہ پلید یہودیوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں پر سخت ناپاک الزام لگائے تھے اور دونوں کی نسبت نعوذ باللہ شیطانی کاموں کی تہمت لگاتے تھے سو اس افترا کا رد ضروری تھا پس اس حدیث کے اس سے زیادہ کوئی معنے نہیں یہ پلید الزام جو حضرت عیسے اور انکی ماں پر لگائے گئے ہیں یہ صحیح نہیں ہیں بلکہ ان معنوں کرکے وہ مس شیطان سے پاک ہیں اور اس قسم کے پاک ہونے کا واقعہ کسی اور نبی کو کبھی پیش نہیں آیا ۔ منہ ۔

زمانوں کی نجات کیلئے آیا تھا اور اب بھی آیا مگر بروز کے طور پر - خدا اسکی برکتوں سے تمام زمین کو متمتع کرے آمین -

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان

طاعون

چو آمد از خدا طاعون بہ بیں از چشم اکرامش   تو خود ملعونی اے فاسق چرا ملعون نہی نامش
زمان توبہ و وقت صلاح و ترک خبث است ایں   کسے کو بر بدی چسپد نہ بینم نیک انجامش

اس ہولناک مرض کے بارے میں جو ملک میں پھیلتی جاتی ہے لوگوں کی مختلف رائیں ہیں ڈاکٹر لوگ جن کے خیالات فقط جسمانی تدابیر تک محدود ہیں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ زمین میں محض قدرتی اسباب سے ایسے کیڑے پیدا ہو گئے ہیں کہ اول چوہوں پر اپنا بد اثر پہنچاتے ہیں* - اور پھر انسانوں میں سلسلہ موت کا جاری ہو جاتا ہے اور مذہبی خیالات سے اس بیماری کو کچھ تعلق نہیں بلکہ چاہئے کہ اپنے گھروں اور نالیوں کو ہر ایک قسم کی گندگی اور عفونت سے بچاویں اور صاف رکھیں اور فنائل وغیرہ کے ساتھ پاک کرتے رہیں اور مکانوں کو آگ سے گرم رکھیں اور ایسا بنا دیں جن میں ہوا بھی پہنچ سکے اور روشنی بھی اور کسی مکان میں اس قدر لوگ نہ رہیں کہ ان کے منہ کی بھاپ اور پاخانہ پیشاب وغیرہ سے کیڑے بکثرت پیدا ہو جائیں اور ردّی غذائیں نہ کھائیں اور سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ ٹیکا کرا لیں - اور اگر مکانوں میں چوہے مردہ پاویں تو ان مکانوں کو چھوڑ دیں اور بہتر ہے کہ باہر کھلے میدانوں میں رہیں اور میلے کچیلے کپڑوں سے پرہیز کریں اور اگر کوئی شخص کسی متاثر اور آلودہ مکان سے ان کے شہر یا گاؤں میں آوے تو اس کو اندر نہ آنے دیں اور اگر کوئی ایسے گاؤں یا شہر کا اس مرض سے بیمار ہو جائے تو اس کو باہر نکالیں اور اس کے اختلاط سے پرہیز کریں - پس طاعون کا علاج ان کے نزدیک جو کچھ ہے یہی ہے یہ تو دانشمند ڈاکٹروں اور طبیبوں کی رائے ہے جس کو ہم نہ تو ایک کافی اور مستقل علاج کے رنگ میں سمجھتے ہیں اور نہ محض بے فائدہ قرار دیتے ہیں - کافی اور مستقل علاج اس لئے نہیں سمجھتے کہ

---

* طبابت کے قواعد کے رو سے طاعون کی بیماری کی شناخت کے لئے ضروری ہے کہ جس بدقسمت گاؤں یا شہر میں یا اس کے کسی حصہ میں یہ مہلک بیماری پھوٹ پڑے اس میں کئی روز پہلے اس سے مرے ہوئے چوہے پائے جائیں پس اگر مثلاً محض تپ سے کسی گاؤں میں چند موت کی وارداتیں ہو جائیں اور چوہے مرتے نہ دیکھے جائیں تو وہ طاعون نہیں ہے بلکہ محرقہ کی قسم کا ایک مہلک تپ ہے - منہ -

تجربہ بتلا رہا ہے کہ بعض لوگ باہر نکلنے سے بھی مرے ہیں اور بعض صفائی کا التزام رکھتے رکھتے بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور بعض نے بڑی امید سے ٹیکا لگوایا اور پھر قبر میں جا پڑے۔ پس کون کہہ سکتا ہے کہ کون ہمیں تسلّی دیسکتا ہے کہ یہ تمام تدبیریں کافی علاج ہیں بلکہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ گو یہ تمام طریقے کسی حد تک مفید ہیں لیکن یہ ایسی تدبیر نہیں ہے جس کو طاعون کو ملک سے دفع کرنے کے لئے پوری کامیابی کہہ سکیں ✣

اسی طرح یہ تدبیریں محض بے فائدہ بھی نہیں ہیں کیونکہ جہاں جہاں خدا کی مرضی ہے وہاں وہاں ان کا فائدہ بھی محسوس ہو رہا ہے مگر وہ فائدہ کچھ بہت خوشی کے لایق نہیں مثلاً گو سچ ہے کہ اگر مثلاً سو آدمی نے ٹیکا لگوایا ہے اور دوسرے اسی قدر لوگوں نے ٹیکا نہیں لگوایا ہے تو جنہوں نے ٹیکا نہیں لگوایا ان میں موتیں زیادہ پائی گئیں اور ٹیکا والوں میں کم لیکن چونکہ ٹیکے کا اثر غایت کار دو مہینے یا تین مہینے تک ہے اس لئے ٹیکے والا بھی بار بار خطرہ میں پڑیگا جب تک اس دنیا سے رخصت نہ ہو جائے صرف اتنا فرق ہے کہ جو لوگ ٹیکا نہیں لگواتے وہ ایک ایسے مرکب پر سوار ہیں کہ جو مثلاً چوبیس گھنٹہ تک ان کو دار الفنا تک پہنچا سکتا ہے اور جو لوگ ٹیکا لگواتے ہیں گویا ایسے آہستہ رو ٹٹو پر چل رہے ہیں کہ جو چوبیس دن تک اسی مقام میں پہنچا دیگا بہرحال یہ تمام طریقے جو ڈاکٹری طور پر اختیار کئے گئے ہیں نہ تو کافی اور پورے تسلی بخش ہیں اور نہ محض نکمے اور بے فائدہ ہیں اور چونکہ طاعون جلد جلد ملک کو کھاتی جاتی ہے اسلئے بنی نوع کی ہمدردی اسی میں ہے کہ کسی اور طریق کو سوچا جائے جو اس تباہی سے بچا سکے ✣

اور مسلمان لوگ جیسا کہ میاں شمس الدین سکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور کے اشتہار سے سمجھا جاتا ہے جس کو انہوں نے ماہ حال یعنے اپریل ۱۹۰۲ء میں شایع کیا ہے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تمام فرقے مسلمانوں کے شیعہ سنی مقلد اور غیر مقلد میدانوں میں جاکر اپنے اپنے طریقہ مذہب میں دعائیں کریں اور ایک ہی تاریخ میں اکٹھے ہو کر نماز پڑھیں تو بس یہ ایسا نسخہ ہے کہ معاً اس سے طاعون دور ہو جائے گی مگر اکٹھے کیونکر ہوں اس کی کوئی تدبیر نہیں بتلائی گئی ظاہر ہے کہ فرقہ وہابیہ کے مذہب کے رو سے تو بغیر فاتحہ خوانی کے نماز درست ہی نہیں پس اس صورت میں انکے ساتھ حنفیوں کی نماز کیونکر ہو سکتی ہے کیا باہم فساد نہیں ہوگا۔ ماسوا اسکے اس اشتہار کے لکھنے والے نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ ہندو اس مرض کے دفع کے لئے کیا کریں کیا ان کو اجازت ہے یا نہیں کہ وہ بھی اس وقت اپنے بتوں سے مدد مانگیں۔ اور عیسائی کس طریق کو اختیار کریں اور جو فرقے حضرت حسین یا علی رضی اللہ عنہ کو قاضی الحاجات سمجھتے ہیں اور محرم* میں

---

* حاشیہ یہ محرم کا مہینہ بڑا مبارک مہینہ ہے ترمذی میں اسکی فضیلت کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث لکھی ہے فیہ یوم تاب اللہ فیہ علی قوم ویتوب فیہ علی قوم اٰخرین یعنے محرم میں ایک ایسا دن ہے جس میں خدا نے گذشتہ زمانہ میں ایک قوم کو بلا سے نجات دی تھی اور مقدر ہے کہ ایسا ہی اسی مہینہ میں ایک بلا سے ایک اور قوم کو نجات ملے گی کیا تعجب کہ اس بلا سے طاعون مراد ہو اور خدا کے مامور کی اطاعت کرنے سے وہ بلا ملک سے جاتی رہے۔ منہ۔

تعزیوں پر ہزاروں درخواستیں مرادوں کے لئے گذارا کرتے ہیں اور یا جو مسلمان سید عبد القادر جیلانی کی پوجا کرتے ہیں یا جو شاہ مدار یا سخی سرور کو پوجتے ہیں وہ کیا کریں اور کیا اب یہ تمام فرقے دعائیں نہیں کرتے بلکہ ہر ایک فرقہ خوف زدہ ہو کر اپنے اپنے معبود کو پکار رہا ہے شیعوں کے محلوں کی سیر کرو کوئی ایسا گھر نہیں ہوگا جس کے دروازہ پر یہ شعر چسپاں نہیں ہوگا

لی خمسة اطفی بها حرّ الوباء الحاطمة * المصطفیٰ والمرتضیٰ وابناهما والفاطمة

میرے استاد ایک بزرگ شیعہ تھے ان کا مقولہ تھا کہ وبا کا علاج فقط تولّا اور تبرّی ہے یعنے ائمہ اہل بیت کی محبت کو پرستش کی حد تک پہنچا دینا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے رہنا اس سے بہتر کوئی علاج نہیں اور میں نے سنا ہے کہ بمبئی میں جب طاعون شروع ہوئی ہے تو پہلے لوگوں میں یہی خیال پیدا ہوا تھا کہ یہ امام حسین کی کرامت ہے کیونکہ جن ہندوؤں نے شیعہ سے کچھ تکرار کیا تھا ان میں طاعون شروع ہو گئی تھی پھر جب اسی مرض نے شیعہ میں بھی قدم رنجہ فرمایا تب تو یا حسین کے نعرے کم ہو گئے *

یہ تو مسلمانوں کے خیالات ہیں جو طاعون کے دور کرنے کے لئے سوچے گئے ہیں اور عیسائیوں کے خیالات کے اظہار کے لئے ابھی ایک اشتہار پادری وائٹ برخیٹ صاحب اور ان کی انجمن کی طرف سے نکلا ہے اور وہ یہ کہ طاعون کے دور کرنے کے لئے اور کوئی تدبیر کافی نہیں بجز اسکے کہ حضرت مسیح کو خدا مان لیں اور ان کے کفارہ پر ایمان لے آویں *

اور ہندوؤں میں سے آریہ دھرم کے لوگ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ بلائے طاعون وید کے ترک کرنے کی وجہ سے ہے تمام فرقوں کو چاہئے کہ ویدوں کی ستّ ودیا پر ایمان لاویں اور تمام نبیوں کو نعوذ باللہ مفتری قرار دیں تب اس تدبیر سے طاعون دور ہو جائے گی *

اور ہندوؤں میں سے جو سناتن دھرم فرقہ ہے اس فرقہ میں دفع طاعون کے بارہ میں جو رائے ظاہر کی گئی ہے اگر ہم پرچہ اخبار عام نہ پڑھتے تو شاید اس عجیب رائے سے بیخبر رہتے اور وہ رائے یہ ہے کہ یہ بلائے طاعون گائے کی وجہ سے آئی ہے۔ اگر گورنمنٹ یہ قانون پاس کر دے کہ اس ملک میں گائے ہرگز ہرگز ذبح نہ کی جائے تو پھر دیکھئے کہ طاعون کیونکر دفع ہو جاتی ہے بلکہ اسی اخبار میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے گائے کو بولتے سنا کہ وہ کہتی ہے کہ میری وجہ سے ہی اس ملک میں طاعون آیا ہے *

اب اے ناظرین خود سوچ لو کہ اس قدر متفرق اقوال اور دعاوی سے کس قول کو دنیا کے آگے صریح اور بدیہی طور پر فروغ ہو سکتا ہے یہ تمام اعتقادی امور ہیں اور اس نازک وقت میں جب تک کہ دنیا ان عقائد کا

فیصلہ کرے خود دنیا کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اسلئے وہ بات قبول کے لایق ہے جو جلد تر سمجھ میں آسکتی ہے اور جو اپنے ساتھ کوئی ثبوت رکھتی ہے سو میں وہ بات مع ثبوت پیش کرتا ہوں۔ چار سال ہوئے کہ میں نے ایک پیش گوئی شایع کی تھی کہ پنجاب میں سخت طاعون آنے والی ہے اور میں نے اس ملک میں طاعون کے سیاہ درخت دیکھے ہیں جو ہر ایک شہر اور گاؤں میں لگائے گئے ہیں اگر لوگ توبہ کریں تو یہ مرض دو جاڑوں سے بڑھ نہیں سکتی خدا اس کو رفع کر دے گا مگر بجائے توبہ کے مجھ کو گالیاں دی گئیں اور سخت بدزبانی کے اشتہار شایع کیے گئے جس کا نتیجہ طاعون کی یہ حالت ہے جو اب دیکھ رہے ہو۔ خدا کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوئی اس کی یہ عبارت ہے إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ إِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ یعنے خدا نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس بلائے طاعون کو ہرگز دور نہیں کرے گا جب تک لوگ ان خیالات کو دور نہ کر لیں جو ان کے دلوں میں ہیں یعنے جبتک وہ خدا کے مامور اور رسول کو مان نہ لیں تب تک طاعون دور نہیں ہوگی اور وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی+ سے محفوظ رکھے گا تا تم سمجھو کہ قادیان اسی لئے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا

+ حاشیہ۔ اٰوٰی عربی لفظ ہے جس کے معنے ہیں تباہی اور انتشار سے بچانا اور اپنی پناہ میں لے لینا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طاعون کی قسموں میں سے وہ طاعون سخت بربادی بخش ہے جس کا نام طاعون جارف ہے یعنے جھاڑ دینے والی جس سے لوگ جا بجا بھاگتے ہیں اور کتوں کی طرح مرتے ہیں یہ حالت انسانی برداشت سے بڑھ جاتی ہے پس اس کلام الٰہی میں یہ وعدہ ہے کہ یہ حالت کبھی قادیان پر وارد نہیں ہوگی اسی کی تشریح یہ دوسرا الہام کرتا ہے کہ لولا الاکرام لھلک المقام یعنے اگر مجھے اس سلسلہ کی عزت ملحوظ نہ ہوتی تو میں قادیان کو بھی ہلاک کر دیتا اس الہام سے دو باتیں سمجھی جاتی ہیں (۱) اول یہ کہ کچھ حرج نہیں کہ انسانی برداشت کی حد تک کبھی قادیان میں بھی کوئی واردات شاذ و نادر کے طور پر ہو جائے جو بربادی بخش نہ ہو اور موجب فرار و انتشار نہ ہو کیونکہ شاذ و نادر معدوم کا حکم رکھتا ہے (۲) دوسری یہ کہ یہ امر ضروری ہے کہ جن دیہات اور شہروں میں بمقابلہ قادیان کے سخت سرکش اور شریر اور ظالم اور بدچلن اور مفسد اور اس سلسلہ کے خطرناک دشمن رہتے ہیں ان شہروں یا دیہات میں ضرور بربادی بخش طاعون پھوٹ پڑے گی یہانتک کہ لوگ بے حواس ہو کر ہر طرف بھاگیں گے ہم نے اٰوٰی کا لفظ جہانتک وسیع ہے اس کے مطابق یہ معنے کر دیئے ہیں اور ہم دعویٰ سے لکھتے ہیں کہ قادیان میں کبھی طاعون جارف نہیں پڑے گی جو گاؤں کو ویران کرنے والی اور کھا جانے والی ہوتی ہے مگر اس کے مقابل پر دوسرے شہروں اور دیہات میں جو ظالم اور مفسد ہیں ضرور ہولناک صورتیں پیدا ہونگی۔ تمام دنیا میں ایک قادیان ہے جس کے لئے یہ وعدہ ہوا فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔ لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں

اب دیکھو تین برس سے ثابت ہو رہا ہے کہ وہ دونو پہلو پورے ہو گئے یعنے ایک طرف تمام پنجاب میں طاعون پھیل گئی اور دوسری طرف باوجود اسکے کہ قادیاں کے چاروں طرف دو دو میل کے فاصلہ پر طاعون کا زور ہو رہا ہے مگر قادیاں طاعون سے پاک ہے بلکہ آج تک جو شخص طاعون زدہ باہر سے قادیاں میں آیا وہ بھی اچھا ہو گیا کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور ثبوت ہوگا کہ جو باتیں آج سے چار برس پہلے کہی گئی تھیں وہ پوری ہو گئیں بلکہ طاعون کی خبر آج سے بائیس برس پہلے براہین احمدیہ میں بھی دیگئی ہے* اور یہ علم غیب بجز خدا کے کسی اور کی طاقت میں نہیں۔ پس اس بیماری کے دفع کے لئے وہ پیغام جو خدا نے مجھے دیا ہے وہ یہی ہے کہ لوگ مجھے سچے دل سے مسیح موعود مان لیں اگر میری طرف سے بھی بغیر کسی دلیل کے صرف دعویٰ ہوتا جیسا کہ میاں شمس الدین سکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور نے اپنے اشتہار میں یا پادری وائٹ برخیٹ صاحب نے اپنے اشتہار میں کیا ہے تو میں بھی ان کی طرح ایک فضول گو ٹھہرتا لیکن میری وہ باتیں ہیں جن کو میں نے قبل از وقت بیان کیا اور آج وہ پوری ہو گئیں اور پھر اس کے بعد ان دنوں میں بھی خدا نے مجھے خبر دی چنانچہ وہ عزوجل فرماتا ہے:۔ مَاکَانَ اللّٰہ لیعذبھم وانت فیھم انہ اوی القریۃ لولا الاکرام لھلک المقام۔ انی انا الرحمٰن دافع الاذیٰ۔ انی لا یخاف لدی المرسلون۔ انی حفیظ۔ انی مع الرسول اقوم۔ والوم من یلوم۔ افطر واصوم۔ غضبت غضبا شدیدا۔ الامراض تشاع والنفوس تضاع۔ الا الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲ کا):- جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور فرمایا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ایسا ہی بجائے قُلْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ کے قُلْ یَا عِبَادِیْ بھی کہا اور یہ بھی فرمایا فاذکروا اللّٰہ کذکرکم اٰباءکم پس اس خدا کے کلام کو ہوشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ اور اسکی کیفیت میں دخل نہ دو اور حقیقت کو حوالہ بخدا کرو اور یقین رکھو کہ خدا اتخاذ ولد سے پاک ہے تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے پس اس سے بچو کہ متشابہات کی پیروی کرو اور ہلاک ہو جاؤ اور میری نسبت بینات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد والخیر کلہ فی القرآن۔ منہ

* حاشیہ۔ آج سے دس برس پہلے ایک نمبر اشتہار میں جو میری طرف سے شایع ہوا تھا طاعون کی خبر دیگئی تھی اور وہ یہ ہے۔ اصنع الفلک باعیننا ووحینا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم یعنی ایک کشتی میرے حکم اور آنکھوں کے روبرو بنا جو آنیوالی مری سے بچائیگی جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ مجھ سے بیعت کرتے ہیں یہ تیرا ہاتھ نہیں بلکہ میرا ہاتھ ہے جو ان کے ہاتھوں پر رکھا گیا ہے اور اسی کلام الٰہی کا ایک فقرہ براہین احمدیہ میں بالتصریح پہلی سے موجود ہے اور وہ یہ ہے ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون یعنی جو لوگ ظلم اور شرارت اور بدکاری اور نافرمانی سے باز نہیں آتے میرے آگے ان کی شفاعت نہ کر کیونکہ وہ غرق کئے جاوینگے۔ منہ

انا نأتی الارض ننقصها من اطرافها۔ انی اجهز الجیش فاصبحوا فی دارهم جاثمین۔ سنریهم ایاتنا فی الاٰفاق وفی انفسهم نصرٌ من اللّٰہ وفتحٌ مبین۔ انی بایعتک بایعنی ربی۔ انت منی بمنزلۃ اولادی۔* انت منی وانا منک۔ عسٰی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔ الفوق معک والتحت مع اعدائک فاصبر حتّٰی یاتی اللّٰہ بامرہ۔ یاتی علی جهنم زمان لیس فیها احد۔ ترجمہ خداتعالیٰ ایسا نہیں کہ قادیاں کے لوگوں کو عذاب دے حالانکہ تو ان میں رہتا ہے وہ اس گاؤں کو طاعون کی دستبرد اور اس کی تباہی سے بچا لیگا۔ اگر تیرا پاس مجھے نہ ہوتا اور تیرا اکرام مدنظر نہ ہوتا تو میں اس گاؤں کو ہلاک کر دیتا۔ میں رحمان ہوں جو دکھ کو دور کرنے والا ہے میرے رسولوں کو میرے پاس کچھ خوف اور غم نہیں میں نگہ رکھنے والا ہوں۔ میں اپنے رسول کیساتھ کھڑا ہونگا اور اس کو ملامت کرونگا۔ جو میرے رسول کو ملامت کرتا ہے میں اپنے وقتوں کو تقسیم کر دونگا کہ کچھ حصہ برس کا تو میں افطار کرونگا یعنی طاعون سے لوگوں کو ہلاک کرونگا اور کچھ حصہ برس کا میں روزہ رکھونگا یعنے امن رہیگا اور طاعون کم ہو جائیگی یا بالکل نہیں رہیگی۔ میرا غضب بھڑک رہا ہے بیماریاں پھیلیں گی اور جانیں ضایع ہونگی۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائینگے اور ان کے ایمان میں کچھ نقص نہیں ہوگا وہ امن میں رہینگے اور انکو مخلصی کی راہ ملے گی۔ یہ خیال مت کرو کہ جرائم پیشہ چھپے ہوئے ہیں ہم ان کی زمین کے قریب آتے جاتے ہیں۔ میں اندر ہی اندر اپنا لشکر تیار کر رہا ہوں یعنی طاعونی کیڑوں کو پرورش دے رہا ہوں پس وہ اپنے گھروں میں ایسے سو جائیں گے جیسا کہ ایک اونٹ مرا رہ جاتا ہے۔ ہم ان کو اپنے نشان پہلے تو دور دور کے لوگوں میں دکھائینگے اور پھر خود انہی میں ہمارے نشان ظاہر ہونگے۔ یہ دن خدا کی مدد اور فتح کے ہونگے میں نے تجھ سے ایک خرید و فروخت کی ہے یعنی ایک چیز میری تھی جس کا تو مالک بنایا گیا اور ایک چیز تیری تھی جس کا میں مالک بن گیا تو بھی اس خرید و فروخت کا اقرار کر اور کہہ دے کہ خدا نے مجھ سے خرید و فروخت کی۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ اولاد۔ تو مجھ میں سے ہے اور میں تجھ میں سے ہوں وہ وقت قریب ہے کہ میں ایسے مقام پر تجھے کھڑا کرونگا کہ دنیا تیری حمد و ثنا کرے گی۔ فوق تیرے ساتھ ہے اور تحت تیرے دشمنوں کے ساتھ۔ پس صبر کر جب تک کہ وعدہ کا دن آجائے طاعون پر ایک ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ کوئی بھی اس میں گرفتار نہیں ہوگا یعنے انجام کار خیر و عافیت ہے۔*

---

* حاشیہ مدت ہوئی کہ پہلے اس سے طاعون کے بارے میں حکایتاً عن الغیر خدا نے مجھے یہ خبر دی تھی یا مسیح الخلق عدوانا مگر آج کہ ۲۱۔ اپریل ۱۹۰۲ء ہے اسی الہام کو پھر اس طرح فرمایا گیا یا مسیح الخلق عدوانا لن تری من بعد موادنا وفسادنا یعنے اے خدا کے مسیح جو مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے ہماری جلد خبر لے اور ہمیں اپنی شفاعت سے بچا تو اس کے بعد

اب اس تمام وحی سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں (۱) اول یہ کہ طاعون دنیا میں اس لئے آئی ہے کہ خدا کے مسیح موعود سے نہ صرف انکار کیا گیا بلکہ اُس کو دکھ دیا گیا اس کے قتل کرنے کے لئے منصوبے کئے گئے اس کا نام کافر اور دجال رکھا گیا پس خدا نے نہ چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے اس لئے اس نے آسمان اور زمین دونوں کو اس کی سچائی کا گواہ بنا دیا۔ آسمان نے کسوف خسوف سے گواہی دی جو رمضان میں ہوا اور زمین نے طاعون کے ساتھ گواہی دی تا کہ خدا کا وہ کلام پورا ہو جو براہین احمدیہ میں ہے اور وہ یہ ہے قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم تؤمنون۔ قل عندی شھادۃ من اللہ فھل انتم تسلمون ‌+ یعنے میرے پاس خدا کی گواہی ہے پس کیا تم ایمان لاؤ گے یا نہیں اور پھر میں کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کی گواہی ہے۔ پس کیا تم قبول کرو گے یا نہیں۔ پہلی گواہی سے مراد آسمان کی گواہی ہے جسمیں کوئی جبر نہیں اس لئے اس میں تومنون کا لفظ استعمال کیا گیا اور دوسری گواہی زمین کی ہے یعنے طاعون کی جس میں جبر موجود ہے کہ خوف دیکر اس جماعت میں داخل کرتی ہے اس لئے اس میں تسلمون کا لفظ استعمال کیا گیا (۲) دوسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوتی وہ یہ ہے کہ یہ طاعون اس حالت میں فرو ہوگی جبکہ لوگ خدا کے فرستادہ کو قبول کر لیں گے اور کم سے کم یہ کہ شرارت اور ایذا اور بدزبانی سے باز آجائیں گے کیونکہ براہین احمدیہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں آخری دنوں میں طاعون بھیجوں گا تا کہ میں ان خبیثوں اور شریروں کا منہ بند کر دوں جو میرے رسول کو گالیاں دیتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ محض انکار اس بات کا موجب نہیں ہوتا کہ ایک رسول کے انکار سے دنیا میں کوئی بلا ہی بھیجی جائے بلکہ اگر لوگ شرافت اور تہذیب سے خدا کے رسولوں کا انکار کریں اور دست درازی اور بدزبانی نہ کریں تو ان کی سزا قیامت میں مقرر ہے اور جس قدر دنیا میں رسولوں کی حمایت میں مری بھیجی گئی ہے وہ محض انکار سے نہیں بلکہ شرارتوں کی سزا ہے اسی طرح اب بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۳ کا) بلا ہمارے خبیث مادوں کو نہیں دیکھے گا اور نہ ہمارا کچھ فساد باقی رہیگا یعنے ہم سیدھے ہو جاوینگے اور گندہ دہانی اور بدزبانی چھوڑ دینگے یہ خدا کا کلام براہین احمدیہ کے اس الہام کے مطابق ہے کہ آخری دنوں میں ہم لوگوں پر طاعون بھیجیں گے جیسا کہ فرمایا کذلک مننا علی یوسف لنصرف عنہ السوء والفحشاء یعنے ہم طاعون کے ساتھ اس یوسف پر یہ احسان کرینگے کہ بدزبان لوگوں کا منہ بند کر دینگے تا کہ وہ ڈر کر گالیوں سے باز آجائیں۔ انہی دنوں کے متعلق خدا کا یہ کلام ہے جسمیں زمین کی کلام سے مجھے اطلاع دیگئی اور وہ یہ ہے یا ولی اللہ کنت لا اعرفک یعنے اے خدا کے ولی میں اس سے پہلے تجھے نہیں پہچانتی تھی اسکی تفصیل یہ ہے کہ کشفی طور پر زمین میرے سامنے کیگئی اور اس نے یہ کلام کیا کہ میں اب تک تجھے نہیں پہچانتی تھی کہ تو ولی الرحمان ہے ۔ منہ ۔

جب لوگ بدزبانی اور ظلم اور تعدی اور اپنی خیانتوں سے باز آجائیں گے اور شریفانہ برتاؤ ان میں پیدا ہو جائیگا تب یہ تنبیہ اٹھالی جائیگی مگر اس تقریب پر بہتیرے سعادت مند خدا کے رسول کو قبول کر لیں گے اور آسمانی برکتوں سے حصہ لینگے اور زمین سعادت مندوں سے بھر جائے گی (۳) تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جبتک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے قادیاں کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے اور یہ تمام امتوں کے لئے نشان ہے۔

اب اگر خدا تعالیٰ کے اس رسول اور اس نشان سے کسی کو انکار رہے اور خیال ہو کہ فقط رسمی نمازوں اور دعاؤں سے یا مسیح کی پرستش سے یا گائے کے طفیل سے یا ویدوں کے ایمان سے باوجود مخالفت اور دشمنی اور نافرمانی اس رسول کے طاعون دور ہو سکتی ہے تو یہ خیال بغیر ثبوت کے قابل پذیرائی نہیں۔ پس جو شخص ان تمام فرقوں میں سے اپنے مذہب کی سچائی کا ثبوت دینا چاہے اس کے لئے اب بہت عمدہ موقع ہے گویا خدا کی طرف سے تمام مذاہب کی سچائی یا کذب پہچاننے کے لئے ایک نمائش گاہ مقرر کی گئی ہے اور خدا نے سبقت کر کے اپنی طرف سے پہلے قادیاں کا نام لے دیا ہے اب اگر آریہ لوگ وید کو سچا سمجھتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ بنارس کی نسبت جو وید کے درس کا اصل مقام ہے ایک پیشگوئی کردیں کہ ان کا پرمیشر بنارس کو طاعون سے بچائے گا۔ اور سناتن دھرم والوں کو چاہئے کہ کسی ایسے شہر کی نسبت جس میں گائیاں بہت ہوں مثلاً امرتسر کی نسبت پیشگوئی کردیں کہ گئو کے طفیل اسمیں طاعون نہیں آئیگی اگر اسقدر گئو اپنا معجزہ دکھادے تو کچھ تعجب نہیں کہ اس معجزہ نما جانور کی گورنمنٹ جان بخشی کردے۔ اسی طرح عیسائیوں کو چاہئے کہ کلکتہ کی نسبت پیشگوئی کردیں کہ اس میں طاعون نہیں پڑے گی کیونکہ بڑا بشپ برٹش انڈیا کا کلکتہ میں رہتا ہے۔ اسی طرح میاں شمس الدین اور ان کی انجمن حمایت اسلام کے ممبروں کو چاہئے کہ لاہور کی نسبت پیشگوئی کردیں کہ وہ طاعون سے محفوظ رہیگا اور منشی الہی بخش اکونٹنٹ جو الہام کا دعوی کرتے ہیں ان کے لئے بھی یہی موقعہ ہے کہ اپنے الہام سے لاہور کی نسبت پیشگوئی کر کے انجمن حمایت اسلام کو مدد دیں اور مناسب ہے کہ عبد الجبار اور عبد الحق شہر امرتسر کی نسبت پیشگوئی کریں۔ اور چونکہ فرقہ وہابیہ کی اصل جڑ دلی ہے اسلئے مناسب ہے کہ نذیر حسین اور محمد حسین دلی کی نسبت پیشگوئی کریں۔ کہ وہ طاعون سے محفوظ رہے گی پس اس طرح سے گویا تمام پنجاب اس مہلک مرض سے محفوظ ہو جائیگا اور گورنمنٹ کو بھی مفت میں سبکدوشی ہو جائیگی۔ اور اگر ان لوگوں نے ایسا نہ کیا تو پھر یہی سمجھا جائیگا کہ سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیاں میں اپنا رسول بھیجا۔

اور بالآخر یاد رہے کہ اگر یہ تمام لوگ جن میں مسلمانوں کے ملہم اور آریوں کے پنڈت اور عیسائیوں کے

پادری داخل ہیں چپ رہے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ سب لوگ جھوٹے ہیں اور ایک دن آنیوالا ہے جو قادیان سورج کی طرح چمک کر دکھلا دیگی کہ وہ ایک سچے کا مقام ہے۔ بالآخر میاں شمس الدین صاحب کو یاد رہے کہ آپنے جو اپنے اشتہار میں آیت امن یجیب المضطر لکھی ہے اور اس سے قبولیت دعا کی امید نکالی ہے یہ امید صحیح نہیں ہے کیونکہ کلام الٰہی میں لفظ مضطر سے وہ ضرر یافتہ مراد ہیں جو محض ابتلا کے طور پر ضرر یافتہ ہوں۔ نہ سزا کے طور پر لیکن جو لوگ سزا کے طور پر کسی ضرر کے تختہ مشق ہوں وہ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں ورنہ لازم آتا ہے کہ قوم نوح اور قوم لوط اور قوم فرعون وغیرہ کی دعائیں اس اضطرار کے وقت میں قبول کیجاتیں مگر ایسا نہیں ہوا اور خدا کے ہاتھ نے ان قوموں کو ہلاک کر دیا اور اگر میاں شمس الدین کہیں کہ پھر ان کے مناسب حال کونسی آیت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت مناسب حال ہے کہ مَادُعَاءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ۔

اور چونکہ احتمال ہے کہ بعض غبی الطبع اس اشتہار کا اصل منشا سمجھنے میں غلطی کھائیں اسلئے ہم مکرراً اپنے فرض دعوت کا اظہار کر دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ طاعون جو ملک میں پھیل رہی ہے کسی اور سبب سے نہیں بلکہ ایک ہی سبب سے ہے اور وہ یہ کہ لوگوں نے خدا کے اس موعود کے ماننے سے انکار کیا ہے جو تمام نبیوں کی پیشگوئی کے موافق دنیا کے ساتویں ہزار میں ظاہر ہوا ہے اور لوگوں نے نہ صرف انکار بلکہ خدا کے اس مسیح کو گالیاں دیں کافر کہا اور قتل کرنا چاہا اور جو کچھ چاہا اس سے کیا اس لئے خدا کی غیرت نے چاہا کہ ان کی اس شوخی اور بے ادبی پر ان پر تنبیہہ نازل کرے اور خدا نے پہلے پاک نوشتوں میں خبر دی تھی کہ لوگوں کے انکار کی وجہ سے ان دنوں میں جب مسیح ظاہر ہوگا ملک میں سخت طاعون پڑے گی سو ضرور تھا کہ طاعون پڑتی اور طاعون کا نام طاعون اسلئے رکھا گیا کہ یہ طعن کرنے والوں کا جواب ہے۔ اور بنی اسرائیل میں ہمیشہ طعن کے وقت میں ہی پڑا کرتی تھی۔ اور طاعون کے لغت عرب میں معنے ہیں بہت طعن کرنے والا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ طاعون طعن تشنیع کی ابتدائی حالت میں نہیں پڑتی بلکہ جب خدا کے مامور اور مرسل کو حد سے زیادہ ستایا جاتا ہے اور توہین کیجاتی ہے اس وقت پڑتی ہے۔ سوائے عزیزو اس کا بجز اس کے کوئی بھی علاج نہیں کہ اس مسیح کو سچے دل اور اخلاص سے قبول کر لیا جاوے۔ یہ تو یقینی علاج ہے اور اس سے کمتر درجہ کا یہ علاج ہے کہ اس کے انکار سے مُنہ بند کر لیا جائے اور زبان کو بدگوئی سے روکا جائے اور دل میں اس کی عظمت بٹھائی جائے اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ لوگ یہ کہتے ہوئے کہ یَا مَسِیْحَ الْخَلْقِ عَدْوَانَا میری طرف دوڑیں گے یہ جو میں نے ذکر کیا ہے یہ خدا کا کلام ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ اے جو خلقت کے لئے مسیح کرکے بھیجا گیا ہے ہماری اس مہلک

بیماری کے لئے شفاعت کرے تم یقیناً سمجھو کہ آج تمہارے لئے بجز اس مسیح کے اور کوئی شفیع نہیں باستثناء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ شفیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہے بلکہ اس کی شفاعت درحقیقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی شفاعت ہے اے عیسائی مشنریو اب ربنا المسیح مت کہو اور دیکھو کہ آج تم میں ایک ہے جو اس مسیح سے بڑھ کر ہے۔ اور اے قوم شیعہ اس پر اصرار مت کرو کہ حسین تمہارا منجی ہے کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں ایک ہے جو اس حسین سے بڑھ کر ہے اور اگر میں اپنی طرف سے یہ باتیں کہتا ہوں تو میں جھوٹا ہوں لیکن اگر میں ساتھ اس کے خدا کی گواہی رکھتا ہوں تو تم خدا سے مقابلہ مت کرو ایسا نہ ہو کہ تم اس سے لڑنے والے ٹھہرو۔ اب میری طرف دوڑو کہ وقت ہے جو شخص اس وقت میری طرف دوڑتا ہے میں اس کو اس سے تشبیہ دیتا ہوں کہ جو عین طوفان کے وقت جہاز پر بیٹھ گیا۔ لیکن جو شخص مجھے نہیں مانتا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ طوفان میں اپنے تئیں ڈال رہا ہے اور کوئی بچنے کا سامان اس کے پاس نہیں۔ سچا شفیع میں ہوں جو اس بزرگ شفیع کا سایہ ہوں اور اس کا ظل جس کو اس زمانہ کے اندھوں نے قبول نہ کیا اور اس کی بہت ہی تحقیر کی یعنے حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لئے خدا نے اس وقت اس گناہ کا ایک ہی لفظ کے ساتھ پادریوں سے بدلہ لیا کیونکہ عیسائی مشنریوں نے عیسیٰ بن مریم کو خدا بنایا اور ہمارے سید و مولے حقیقی شفیع کو گالیاں دیں اور بد زبانی کی کتابوں سے زمین کو نجس کر دیا اس لئے اس مسیح کے مقابل پر جس کا نام خدا رکھا گیا خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا تاکہ یہ اشارہ ہو کہ عیسائیوں کا مسیح کیسا خدا ہے جو احمد کے ادنےٰ غلام سے بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یعنے وہ کیسا مسیح ہے جو اپنے قرب اور شفاعت کے مرتبہ میں احمد کے غلام سے بھی کمتر ہے۔ اے عزیزو! یہ بات غصہ کرنے کی نہیں اگر اس احمد کے غلام کو جو مسیح موعود کر کے بھیجا گیا ہے تم اس پہلے مسیح سے بزرگتر نہیں سمجھتے اور اسی کو شفیع اور منجی قرار دیتے ہو تو اب اپنے اس دعوی کا ثبوت دو اور جیسا کہ اس احمد کے غلام کی نسبت خدا نے فرمایا انہ اوی القریۃ لولا الاکرام لہلک المقام جس کے یہ معنے ہیں کہ خدا نے اس شفیع کی عزت ظاہر کرنے کے لئے اس گاؤں قادیاں کو طاعون سے محفوظ رکھا جیسا کہ دیکھتے ہو کہ وہ پانچ چھ برس سے محفوظ چلی آتی ہے اور نیز فرمایا کہ اگر میں اس احمد کے غلام کی بزرگی اور عزت ظاہر نہ کرنا چاہتا تو آج قادیاں میں بھی تباہی ڈال دیتا ایسا ہی آپ بھی اگر مسیح ابن مریم کو درحقیقت شفیع اور منجی قرار دیتے ہیں تو قادیاں کے مقابل پر آپ بھی کسی اور شہر کا پنجاب کے

شہروں میں سے[*] نام لے دیں کہ فلاں شہر ہمارے خداوند مسیح کی برکت اور شفاعت سے طاعون سے پاک رہیگا اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو پھر آپ سوچ لیں کہ جس شخص کی اسی دنیا میں شفاعت ثابت نہیں وہ دوسرے جہان میں کیونکر شفاعت کرے گا۔ اور میاں شمس الدین صاحب یاد رکھیں کہ ان کا اشتہار محض بے سود ہے اور کوئی فائدہ اسپر مرتب نہیں ہوگا اور علاج یہی ہے جو ہم نے لکھا ہے وہ یاد کریں کہ پہلے اس سے انسانی گورنمنٹ میں وہ اور ان کی انجمن میرا مقابلہ کرکے ذلت اُٹھا چکی ہے کہ انہوں نے مؤلف امہات المومنین کی نسبت گورنمنٹ سے سزا طلب کی اور میں نے اس سے منع کیا آخر میری رائے ہی صحیح ہوئی اسی طرح اب بھی جو کچھ انہوں نے آسمانی گورنمنٹ میں میموریل بھیجنا چاہا ہے وہ بھی محض بے سود اور لغو اور بے اثر ہے۔ جیساکہ پہلا میموریل تھا۔ سچا میموریل یہی ہے جو مرتب کیا ہے آخر آپ کو یہی ماننا پڑیگا +

---

[*] مثلاً نارووال یا بٹالہ کا نام لے دیں ۔ منہ۔